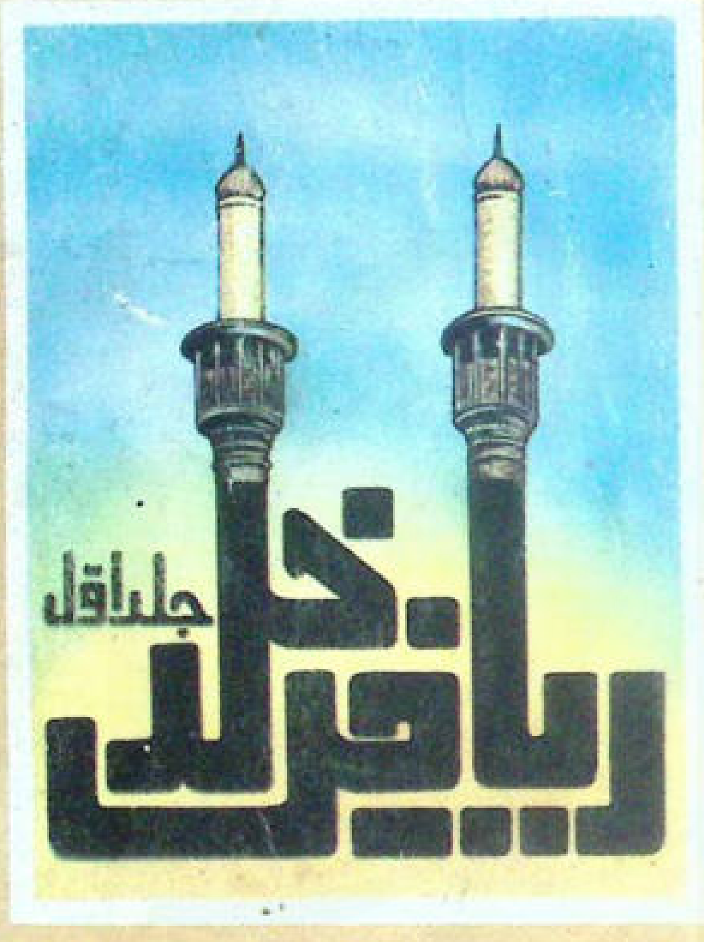

مرتبہ:

ڈاکٹر سید مقام حسین صاحب جعفری و ڈاکٹر سید سہیل رضا صاحب بخاری

پاکستان کے نامور سپوت ڈاکٹر سید صفدر حسینؒ مرحوم ناظم تعلیمات پنجاب
کی آخری تمنا یعنی
فخرِ سادات بارہہ جناب سید ریاض الدین حسنؒ صاحب ریاضؔ مرحوم و مغفور
[illegible]

بخدمت جناب عنبر عباس رضوی

منجانب
سید خاقان حسین
14th Feb 1992.

ریاضِ خلد

جلد اوّل

جناب سید ریاض الدین حسن ریاضؔ تلمیذ جناب میر انیس اعلی اللہ مقامہ

مرتبہ

ڈاکٹر سید قمقام حسین؛ ڈاکٹر سید سہیل بخاری صاحبان

maablib.org

جملہ حقوق بحقِ ناشر محفوظ ہیں

اشاعت ... ... سنہ ۱۹۸۲ء
کتابت ... ... سید شبیہ الحسن نقوی
تعداد ... ... ایک ہزار
مطبع ... احمد برادرس پرنٹرز ناظم آباد نمبر ۲ کراچی
قیمت ... ... ۲۰ روپئے

ناشر

سید سلطان حسین

پتہ

۱۴/۱۶۳ صغیر آباد۔ فیڈرل بی ایریا کراچی ۳۸

فہرست

۱۔ تعارف صفحہ ۵ تا صفحہ ۱۷ سلطان حسین
۲۔ پانچ مرثیوں پر تبصرے صفحہ ۱۸ تا صفحہ ۴۷ ڈاکٹر سید تقی عابدی حسین جعفری
ایم۔اے۔پی۔ایچ ڈی

نمبر شمار	مطلع	تعداد بند	صفحہ
پہلا مرثیہ	جوہرِ تیغِ سخن ذہن رسا ہے میرا	۱۱۳	۴۹
دوسرا مرثیہ	اس فوج کا مداح ہوں جو تشنہ دہاں ہے	۱۴۰	۷۲
تیسرا مرثیہ	جب ترکِ آسماں نے علم کی حسام زر	۸۴	۱۰۱
چوتھا مرثیہ	جب دشتِ کربلائے معلّٰی جناں ہوا	۱۰۸	۱۱۹
پانچواں مرثیہ	خلد کو فوجِ حسینی کا نشاں جاتا ہے	۱۲۳	۱۴۲
	غلط نامہ		۱۷۲

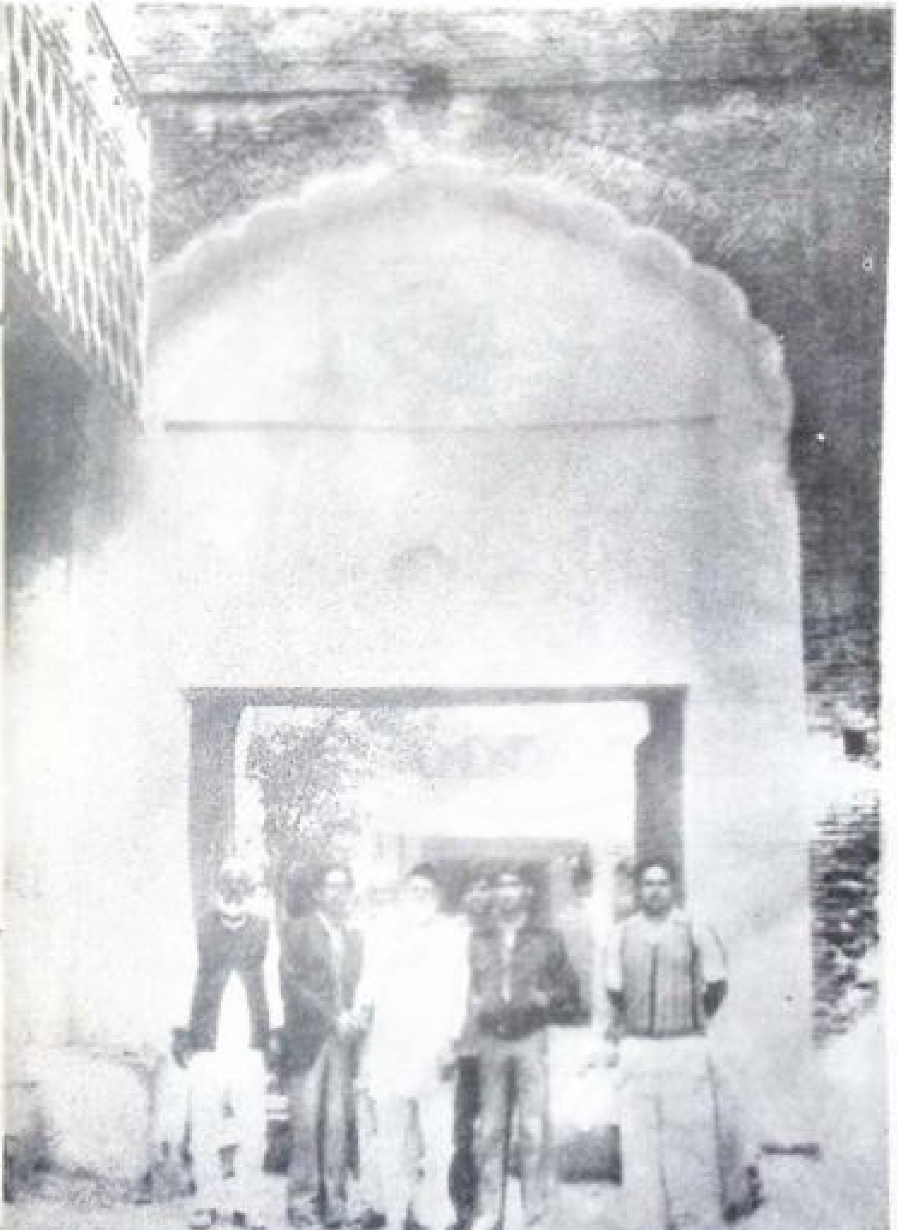

سید نوشاد حسین ۔ سید تمکین حیدر ۔ حکیم لطف اللہ خان ۔ سید رضوان حسین ۔ سید وقار حسین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف

مصنفِ مراثی

سید ریاض الدین حسن ۔ "ریاض" مرحوم نسبی اعتبار سے جناب حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے فرزند جناب زید شہید علیہ الرحمۃ کی بیالیسویں پشت میں تھے ۔ اس نسل میں علم و فضل، شجاعت اور سخاوت کی صفات سے مملو تاریخ ساز ہستیاں پیدا ہو کر اپنی زمانۂ حیات اور مابعد کے زمانوں میں عزت اور شہرت کی حامل رہیں۔ چنانچہ اُن کے اجداد میں جناب عیسیٰ موتم الاشبال (شیر کے بچوں کو یتیم کرنے والا) ۔ سید ابوالفرج واسطی (تسخیر ہندوستان میں محمود غزنوی کے دستِ راست) ۔ نواب سید محمود صاحب سیف القلم اور صاحبِ طبل والعلم صفحاتِ تاریخ کی زینت رہیں۔

'ریاض' کے دادا سید عالم علی مقام سردھنہ ضلع میرٹھ ۔ یوپی بھارت) کی مشہور بیگم جو زوجہ سمرو (جرمن) تھی باضابطہ فوج رکھتی تھی ۔ اس فوج کے کماندار تھے ۔ اور والد ماجد سید جلال الدین حیدر زمانۂ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں میرٹھ کے کوتوال شہر تھے ۔ روایت ہے کہ بسلسلہ خدماتِ جلیلہ قیامِ امن اُن کو جاگیر عطا ہوئی تھی جس کا پروانہ قصبہ معانہ کلاں کے چند افراد (جن پر انگریزوں کو لوٹنے مارنے کا الزام تھا) کی جان بخشی کے بدلے میں موصوف نے

واپس کر دیا تھا جس کی وجہ سے موصوف اور اُن کے اہلِ خاندان تا دمِ تقسیم ملک بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ موانہ کا مشہور مکان دربار اور اُس کا عظیم الشان دروازہ جس کی تصویر اس کتاب میں ہے۔ اُن کے مورثوں کی حیثیت کی ناقابلِ تردید شہادت ہے۔ راقم نے ہندو مسلمان معتمد اشخاص کو دیکھا کہ اس دروازہ کو سلام کرتے ہیں۔ دریافت پر معلوم ہوا کہ میاں کے بیٹھنے کی جگہ کو سلام کیا جاتا ہے۔

'ریاض' مرحوم عربی، فارسی۔ انگریزی میں استعداد کامل رکھتے تھے اور جناب میر انیس سے شرف تلمذ مرثیہ خوانی اور مرثیہ گوئی میں حاصل تھا۔

موصوف "کسٹم" کے محکمہ میں "گماشتہ" ہونے کی وجہ سے سیتاپور میں مقیم تھے۔ قُربِ لکھنؤ کی وجہ سے میر صاحب کی خدمت میں مسلسل حاضری اور اصلاحِ کلام کے مواقع نے تحت اللفظ پڑھنے اور مرثیہ تصنیف کرنے میں بڑی شہرت عطا کی۔ جناب سرکارِ سید الشہدا علیہ السلام سے عقیدت کا یہ عالم تھا کہ سیتاپور میں ایک امام بارگاہ تعمیر کرائی جو "ریاض الدین حسن کے امام باڑے کے نام سے معروف ہے۔ راقم کو اس کی زیارت کا شرف ۱۹۳۵ء میں بسلسلہ شرکت مجلس سوئم سید علی وزیر صاحب مرحوم (پدر سید حسن اکبر سلمہ، اسسٹنٹ ایڈوکیٹ جنرل سندھ) ہوا تھا۔

مشہور ہے کہ شفیق استاد (میر انیس) نوچندی کی مجلس پڑھنے کے لئے سیتاپور تشریف لاتے تھے تو پالکی کی ڈاک کا اہتمام اس سفر کو طے کرنے کے لئے کیا جاتا تھا۔

۱۸۸۵ء میں 'ریاض' مرحوم نے قضا کی۔ موانہ میں دفن ہوئے۔ خدا مغفرت فرمائے۔ سینکڑوں مرثیے تصنیف کئے مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ

بیشتر کلام پسماندگان کی لاپرواہی سے تلف ہوگیا۔ لوگوں نے اپنے نام سے چھپوا دیا۔ اور اپنا کہہ کر سرِ منبر پڑھا۔ اسباب کا تذکرہ جناب خان بہادر سید محمد حسین صاحب متولی وقف منصبہ میرٹھ یو۔ پی۔ بھارت نے رپورٹ وقف منصبہ ۱۱-۱۹۱۲ء میں تحریر فرمایا ہے۔ مختصراً تفصیل اس واقعہ کی یہ ہے کہ جناب مقبول حسین صاحب مرحوم (جناب مولوی عسکری حسن صاحب وکیل کے تائے ابا اور جناب منور عباس صاحب وکیل و مہتمم مجالسِ عزا اسلامیہ نشتر پارک کراچی کے ماموں تھے) جناب ریاض صاحب کے شاگرد اور میرٹھ کے بڑے نامور تحت اللفظ خواں تھے۔ موصوف کی موجودگی میں ایک صاحب رئیس میرٹھ نے ایک مرثیے کا ایک جزو اپنا مصنفہ کہہ کر پڑھ ڈالا۔ فوراً مقبول حسین صاحب نے بستہ منگایا اور جیسے ہی وہ صاحب منبر سے اُترے، مقبول حسین صاحب بہ کمال سرعت زیبِ منبر ہوگئے۔ برجستہ ارشاد فرمایا۔

"یہ مرثیہ میرے استاد ریاض الدین حسن صاحب مرحوم کی تصنیف ہے جو میرے بستہ میں بھی موجود ہے۔" مرثیہ نکال کر لوگوں کو دکھلایا۔ چند بند پڑھے۔ اور فرمایا "یہ مرثیہ کا ایک جزو ہے۔ اس میں حال شہادت تھا اور دوسرا جزو حال اسیری اور سفر شام کے حالات سے مملو ہے۔" سامعینِ مجلس نے اصرار کیا اور پورا مرثیہ سنا۔ کلام اور خوانندگی کی خوب خوب داد ملی۔

ریاض کے دوسرے بھائی سید تحمل حسین صاحب پیشکار (نائب تحصیلدار) اور انسپکٹر پولیس کے عہدوں پر کام کرنے کے بعد ریٹائر ہوئے۔ تو موانہ میں زمینداری اور خدمت خلق کے کاموں میں مصروف ہوگئے۔ گوزر

جنرل کے درباری تھے۔ ۱۹۱۱ء میں انتقال فرمایا۔

تیسرے بھائی سید فیاض حسین صاحب انسپکٹر پولیس تھے ۱۸۹۶ء میں پنشن لے کر آئے تو ممبر ٹونیشیائی ایریا، آنریری مجسٹریٹ۔ بعدہ لائف مجسٹریٹ کے فرائض احسن طریقہ پر انجام فرماتے تھے۔ مقدمات کی سماعت کے دوران اگر شبہہ پیدا ہو جاتا تھا تو میلوں کا سفر طے کر کے موقعہ پر تشریف لے جاتے تھے۔ اور حقیقتِ حال سے آگاہ ہو کر فیصلہ صادر فرماتے تھے ضرورت مند پڑھے لکھوں کو ملازمت دلوانا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ گورنر جنرل کے درباری ہونے کا اعزاز بھی حاصل تھا۔

فیضی تخلص اور شعر و شاعری کا بڑا ذوق تھا۔ تحت اللفظ خوب، پڑھتے تھے اور اس فن میں جناب نفیس مرحوم کے شاگرد تھے۔

تاریخ گوئی میں کمال حاصل تھا۔ انگلیوں پر اعداد گن کر فوراً چند منٹ میں قطعہ تاریخ ارشاد فرما دیتے تھے۔

۱۹/۲۰ جنوری ۱۹۲۷ء کی شب میں قطعہ تاریخ وفات خود حسب ذیل ارشاد فرمایا۔ ؎

شبِ آخر ہے میری زندگی کی
خدا کا شکر یہ مجھ پر عیاں ہے
ندا ہاتف کی آئی "سوئے فردوس بزرگ زندہ دل فیضی رواں ہے"
۱۹۲۷

۲۰ر جنوری ۱۹۲۷ء کو انتقال فرمایا۔ تفصیل یہ ہے۔

انتقال سے آٹھ روز قبل سے وقت۔ دن۔ تاریخ وفات کا اکثر تذکرہ فرماتے تھے۔ آنت میں گرہ لگ جانے کی وجہ سے دردِ شکم میں مبتلا ہو

گئے تھے۔ میرٹھ تشریف لے گئے۔ سول سرجن سے ملاقات ہوئی۔ آپریشن کا مشورہ دیا گیا۔ جو قبول نہیں فرمایا اور پیٹ پھاڑ کر مرنا موصوف نے "حقارت کی موت" سے تعبیر فرمایا۔ واپس مولانہ تشریف لائے۔ تین چار روز زندہ رہے تعین تاریخ وفات کی وجہ سے لوگ کثرت سے عیادت کے لئے آتے تھے۔ اور مرحوم بڑے سکون قلب سے باتیں کرتے تھے۔

۲۰ر جنوری ۱۹۲۷ء کو سوا گز لٹھا منگا لیا۔ اپنے ہاتھوں سے گز بھر مربع کا رومال پھاڑا۔ اور گرہ گرہ بھر کی چار دھجیاں خود قطع کیں۔ رومال سے ڈھاٹا باندھ کر اور دھجیاں انگوٹھوں اور پنڈلیوں میں باندھ کر دکھلائیں اور رومال اور دھجیاں کھول کر سرہانے رکھ کر۔ بعد وفات حسب نمونہ باندھے جانے کی تاکید کی۔ کنبے کے بڑے چھوٹے آدمیوں اور بچوں تک کو پاس بلایا۔ باتیں کیں۔ سروں پر ہاتھ رکھا۔ کمر پھیکی۔ بستر اور لباس تبدیل کیا۔ سورہ یٰسین سماعت فرمائی اور چادر (جو راج دربار میں اوڑھ کر تشریف لے جاتے تھے) منگائی۔ اوڑھی قبلہ رخ ہوئے۔ چادر تانی۔ تین مرتبہ چادر کی شکن ہلی اور مشرف بوصال حق ہو گئے موجودگاں نے یہ منظر دیکھا اور ایک حیرت و استعجاب و غم کا عالم نظر آیا۔ مولانا حافظ قاری خواجہ فیاض حسین صاحب پیش امام جمعہ وجماعت مسجد وقف منصبہ میرٹھ کو بلانے کے لئے اپنی زندگی میں انتظام فرما دیا تھا اور بحالت قائمی ہوش وحواس وفات سے چند گھنٹہ قبل سواری مولانا کو لانے کے لئے بھیج دی تھی۔ یہ جمعرات کا دن تھا۔ بعد مغرب جنازہ تیار ہو گیا اور شب جمعہ میں کربلائے سید اسمٰعیل میں دفن ہوئے۔ اور قبر کو پختہ نہ کرنے کی تاکید فرما چکے تھے۔ ۱۹۴۲ء تک برابر تعزیہ داران جب تعزیے دفن کرتے تھے مرحوم کی قبر بھی تازی کر دیا کرتے

تھے اور سُنا ہے اب تک یہ سلسلہ جاری ہے۔

مرحوم کے سب سے چھوٹے بھائی سید خورشید حسین صاحب میونسپل بورڈ کیرانہ ضلع منظفر نگر کے سکریٹری برسوں رہے۔ موانہ کر قصبہ کے مکھیا ہوئے اور تادمِ مرگ رہے۔ طب میں دستگاہ کامل رکھتے تھے اور علاج مفت کرتے تھے۔ ۱۹۲۵ء میں بلاسپور ضلع منظفر نگر میں انتقال فرمایا اور وہیں دفن ہوئے۔ سید خورشید حسین مرحوم کے داماد سید محمد عسکری رئیس بلاسپور کو تحت اللفظ پڑھنے کا شوق تھا۔ نہایت خوش خط مرثیہ نقل کرتے اور پڑھتے بھی خوب تھے۔

مرحوم کی کتابت کا نمونہ ریاض مرحوم کے سب سے پہلے مرثیہ کے سرورق سے عیاں ہے۔ مرحوم کے چچا زاد بھائی سید نثار حسین صاحب نے ۱۹۰۳ء میں عہدہ سب انسپکٹری سے پنشن پائی اور مکان دربار کے پہلو میں ایک نشست گاہ تعمیر کی اور محلہ شاہ پور میں ایک مسجد تعمیر کرائی جو ماشاءاللہ آباد ہے۔ لاوڈ سپیکر نصب ہے۔ جہاں صبح۔ سہ پہر۔ شام کو وحدانیت رسالت۔ اور امامت کا اعلان ہو کر ؎

گونجتی ہے جو اذاں بستی و ویرانے میں
اس میں کچھ قوتِ شبیرؑ نظر آتی ہے

کی تصدیق ہوتی ہے۔

• ریاض مرحوم کے فرزند۔ سید ناصر الدین حسن۔ یو۔ پی پولیس میں سب انسپکٹر اور ریاست ٹونک اور ریاست دتیہ میں سپرنٹنڈنٹ پولیس کے عہدوں پر فائز رہے۔ بڑے دبنگ افسر تھے۔ تحت اللفظ خوب پڑھتے تھے۔ ستّر سال کے ہو کر انتقال فرمایا۔

مرحوم کے بھانجے داماد سید غلام حسنین مرحوم خوش نویس اور زمیندار

تھے۔ ریاض مرحوم اور استادان لکھنؤ کے مراثی نقل فرما کر بغرض ثواب برائے خوانندگی شوقین پڑھنے والوں کو عطا فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرثیہ کا سرورق جس کا مطلع ہے

"جب دشت کربلائے معلیٰ جناں ہوا"

اس کتاب کی زینت ہے۔

ان بزرگوں میں سے فقط سید فیاض حسین صاحب کی تصویر دو گروپ فوٹوز میں مل سکی۔ جن کی نقل شامل کتاب ہے۔ موصوف تصویر میں داہنی طرف سب سے پہلی کرسی پر رونق افروز ہیں۔

جناب ریاض الدین حسن صاحب کا شجرہ نسب شامل کتاب ہذا ہے۔ اس کے ملاحظہ سے اس خاندان کی موجودہ نسل تک کی نشاندہی ہونے میں مدد ملے گی۔ زمانہ حال میں بھی اس خاندان کے کچھ بچے بچیاں اپنے مورثوں کے علم و فضل۔ وقار کی نشاندہی کرتے ہیں۔

وجۂ تالیفِ کتاب

"ہذا الصل میں جناب ڈاکٹر سید قمقام حسین جعفری صاحب ایم۔ اے پی۔ ایچ۔ ڈی کی تالیف "شاگردانِ انیس" کو سمجھنا چاہیئے۔ اس کتاب کے صفحہ نمبر پر بحوالہ خط ڈاکٹر سید صفدر حسین مرحوم ناظم تعلیمات پنجاب مورخہ ۲۵ر جون ۱۹۷۷ء ریاض مرحوم کے انیس ۱۹ مرثیوں کی نشاندہی کی گئی تھی۔ جن کے مطلع حسب ذیل ہیں۔

۱۔ جس دم لوائے مہرِ منور عیاں ہوا
۲۔ خلد کو فوج حسینی کا نشاں جاتا ہے۔
۳۔ جس وقت صبح غازۂ روئے فلک ہوئی

۴۔ تعلیمِ نغز گوئے قدیم النظر ہوں

۵۔ مداح کو ثنائے بہشتی کی چاہ ہے

۶۔ جب ترک آسمان نے علم کی حسام زر

۷۔ یعقوب کربلا کا جو یوسف جدا ہوا

۸۔ عاشور کی سحر ہوئی جب رن میں جلوہ گر

۹۔ جب دشت کربلائے معلی جناں ہوا

۱۰۔ مطلع ہے ایک ذہن رسا بہترین کا

۱۱۔ حسنِ رخِ عروسِ سخن آفتاب ہے

۱۲۔ برج شرف سے جب شہ خاور عیاں ہوا

۱۳۔ سر نذر کر چکے جو نمازی جہاد میں

۱۴۔ ہاں اے زبانِ کلک مسیحا کا کام کر

۱۵۔ جب نہر پر حسینؑ کا ٹھنڈا علم ہوا

۱۶۔ شقہ کشا فلک پہ ہوا جب نشانِ مہر

۱۷۔ جوہر تیغ سخن ذہن رسا ہے میرا

۱۸۔ آئینہ اقرار کو الفا سے جلا دے

۱۹۔ کس بہشتی کی رن میں آمد ہے

اس کے مطالعہ کے بعد راقم الحروف کو یہ خیال ہوا کہ اگر یہ مرثیے مل جاویں تو چھپوا دیئے جاویں۔ اس دوران میں ڈاکٹر صفدر حسین مرحوم کا انتقال ہو گیا اس لئے ان کے ورثا سے حصول مراثی کے لئے جناب سید محمد شفیع زیدی صاحب کے ساتھ ڈاکٹر سید صفدر حسین مرحوم کے گھر پہنچا۔ موصوف کی بیگم نے فرمایا کہ سید سعید حسن زیدی صاحب لیکچرار اردو گورنمنٹ کالج لاہور کو ڈاکٹر صفدر حسین

صاحب کی لائبریری پر ایسی ہدایت سپرد کردی گئی ہے کہ جس کی جوامانت ہو ویہی جائے۔ جناب محمد شفیع صاحب کے ساتھ جناب سید حسن صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض مدعا کیا گیا تو موصوف نے متعدد ملاقاتوں اور رو عاروں کے بعد جنوری ۱۹۸۲ء میں جناب صفدر حسین صاحب کی نوشتہ ایک کاپی مرحمت فرمائی جس میں دس مرثیوں کی نقل کی گئی جن کے مطلع حسب ذیل ہیں۔

۱۔ اس فوج کا مداح ہوں جو تشنہ دہاں ہے
۲۔ جب ترکِ آسماں نے علم کی حسام زر
۳۔ جب دشتِ کربلا ئے معلےٰ جناں ہوا
۴۔ خلد کو فوج حسینی کا نشاں جاتا ہے
۵۔ جب نہرِ پر حسینؑ کا ٹھنڈا علم ہوا
۶۔ جوہرِ تیغ سخن ذہن رسا ہے میرا
۷۔ کسی بہشتی کی رن میں آمد ہے
۸۔ آئینۂ اقرار کو ایفا سے جلا دی
۹۔ اے سرمۂ غم دیدۂ ماتم کو جلا دے
۱۰۔ سر نذر کر چکے جو مجاہد جہاد میں

ان مراثی کے ملتے ہی راقم الحروف کو اس قدر مسرت ہوئی کہ فوراً قطعہ تاریخ حسب ذیل مرتب ہو گیا۔

طبع ہو جائے گا کلامِ ریاضؔ ، بفکرِ خلاقِ آسمان و زمیں
اہل دل اس کو پڑھ کے کہدیں گے اسے کلیدِ ریاضِ خلدِ بریں

۱۹۸۲

ہاتھ سینہ زنی کو اٹھتا ہے
چشم گریاں ہے موجبِ تسکین
دونوں ماتم ہیں مغفرت کا سبب
صدق دل سے ہوا ہے اس کا یقین

ڈاکٹر صفدر حسین مرحوم نے اس کاپی کے سرورق پر ریاض خلد لکھا تھا۔ غالباً اس کو چھپواتے تو یہی اس کتاب کا نام ہوتا۔ اسی کو مدنظر رکھتے ہوئے حقیر کی ذرا سی کاوش سے مصرع تاریخ موزوں ہوگیا اور اب اس کتاب کا نام "ریاض خلد" ہی انشاء اللہ ہوگا۔

صفدر صاحب کی نوشتہ کاپی کو پڑھا۔ اس میں جا بجا غلطیاں نظر آئیں اس لئے سعید حسن صاحب سے عرض کیا گیا کہ یہ فقط دس مراثی ہیں اور نقل میں جا بجا غلطیاں نظر آتی ہیں اس لئے اصل مسودات مقابلہ کرنے کو عنایت فرما دیجئے اور بقیہ نو مراثی جس کا ذکر خط مورخہ ۵؍ جون ۱۹۷۴ء میں ڈاکٹر صفدر مرحوم نے فرمایا ہے۔ وہ بھی مرحمت فرما دیجئے۔ موصوف نے مسلسل متعدد تقاضوں اور جناب پروفیسر مشکور حسین یاد، اور جناب انوار حسین اسسٹنٹ منیجر گرنڈلیز بنک اور جناب سید محمد شفیع زیدی کی سفارش کے باوجود نامعلوم مصلحتوں کے ماتحت یہ کہہ کر "ملتے نہیں ہیں بہت تلاش کیا" صاف انکار فرمایا۔

ڈاکٹر صفدر حسین مرحوم نے ایک خوبصورت لائبریری جس کا نام "نادر کتب خانہ" ہے اپنی باقیات میں چھوڑی ہے جس میں موجود مطبوعہ کتب کی حسین فہرست مطبوعہ مرحوم کی بیوہ نے مجھے عنایت فرمائی تھی جو میرے پاس موجود ہے۔ اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی نادر کتب خانہ میں غیر مطبوعہ مسودات یقیناً کسی خاص ترتیب کے ساتھ سجائے گئے ہوں گے تاکہ بروقت ضرورت فوراً ہاتھ آسکیں۔ میری چند در چند گزارشوں کے باوجود مجھے اس کتب خانہ کی زیارت بھی نصیب نہ ہوسکی جس کا مجھے تادم مرگ قلق رہے گا۔ میں ہمیشہ دعا کرتا ہوں کہ ریاض الدین حسن 'ریاض' امروہوی کا غیر

مطبوعہ کلام اُن ہی مرحوم کے نام سے زیورِ طبع سے آراستہ ہوا اور بقول جناب محمد حسین آزاد

"اُس تیرہ شب کے پردے میں شاعر جو چھپے ہے
پھرتا ٹٹولتا ہوا مانندِ کور ہے
مطلب اڑاتا شعر سے مضمون غزل سے ہے
لاتا عجب طرح سے لفافہ بدل کے ہے
مضمون چرانے والے تو تعریفیں سنتے ہیں
مضمون گیا ہے جن کا وہ سر پیٹے ڈھنتے ہیں"

کا مصداق نہ ہو۔

اس تلاشِ مراثی کے سلسلہ میں سید علی عباس صاحب خلف سید محمد عسکری صاحب رئیس بلاسپور ضلع مظفر نگر یو پی نے دو مرثیہ جن کا مطلع ہے

۱۔ ہے شمسِ رواقِ سخن آفتابِ نظم

۲۔ جوہرِ تیغِ سخن ذہن رسا ہے میرا

مولوی محمد عسکری حسن صاحب وکیل (جناب مقبول حسین صاحب کے بھتیجے) نے ایک مرثیہ جس کا مطلع ہے

۱۔ کس بہشتی کی رن میں آمد ہے۔

اور جناب حسن امیر صاحب خلف جناب سید علی امیر صاحب نے تین مراثی جن کے مطلع

۱۔ آئینہ اقرار کو ایفا سے جلا ہے

۲۔ اے سُرمۂ غم دیدہ ماتم کو جلا ہے

۳۔ شق گشا فلک پہ ہوا جب نشانِ مہر

کی نقول عنایت فرمائیں جن سے مقابلہ کرنے میں بڑی مدد ملی۔ خداوند عالم ان سب حضرات کو جزائے خیر عنایت فرمائے۔

اس صورتحال کے ماتحت حقیر کے پاس کل دس مرثیے جو ڈاکٹر سید صفدر حسین نے نقل فرمائے اور ایک مرثیہ نقل کردہ سید محمد عسکری صاحب مرحوم رئیس بلاسپور۔

۱۔ ہے تیغ رواں سخن آفتاب نظم

اور دوسرا مرثیہ نقل کردہ سید علی امیر صاحب مرحوم پدر سید حسن امیر صاحب جس کا مطلع ہے

۱۔ شفق کشا فلک پہ ہوا جب نشان مہر

ہے موجود ہیں۔

ان میں سے مرثیہ جس کا مطلع شفق کشا فلک پہ ہوا جب نشان مہر مندرجہ فہرست صفحہ نمبر ۱۵ شاگردان انیس ہے۔

یہ کل ۱۲ مرثیے ہیں جن میں سے مندرجہ ذیل پانچ مرثیوں کی کتاب مرتب کر کے طبع کرائی جا رہی ہے۔ باقی کے سات مرثیے انشاء اللہ جلد دوئم میں پیش کئے جائیں گے۔

۱۔ جوہر تیغ سخن ذہن رسا ہے میرا

۲۔ اس فوج کا مداح ہوں جو تشنہ دہاں ہے

۳۔ جب ترک آسماں نے علم کی حسام زر

۴۔ جب دشت کربلائے معلے جناں ہوا

۵۔ خلد کو فوج حسینی کا نشان جاتا ہے

اس کتاب کی تیاری میں ڈاکٹر سید صفدر حسین مرحوم۔ ڈاکٹر

سید قمقام حسین صاحب اور ڈاکٹر سید سہیل بخاری صاحب۔ سید سعید حسن زیدی صاحب لیکچرار۔ مولوی عسکری حسن صاحب وکیل۔ سید علی عباس زیدی صاحب بلاسپوری۔ سید حسن امیر صاحب نے مرثیوں کی تلاش میں جس قدر مدد فرمائی وہ قابلِ ستائش ہے۔ جناب محمد شفیع صاحب زیدی اور سید خورشید امیر صاحب خلف سید حسن امیر صاحب مجھ ضعیف العمر کے ساتھ اپنا کام چھوڑ کر متعلق اشخاص کے پاس مجھے لئے پھرتے ہیں بہت کارآمد ثابت ہوئے اور ہمیشہ میری تقویت کا باعث ہوئے۔ اور سب سے بڑا کام جناب ڈاکٹر قمقام حسین صاحب اور سہیل بخاری صاحب نے مرثیے چھپنے کے لئے مرتب فرما کر پروف ریڈنگ کی منزل طے کرنے تقریظ تحریر فرمانے کا کیا اور مجھے اس لائق کر دیا کہ یہ کتاب میں پڑھنے والوں کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ میں ان سب حضرات کا شکر گزار ہوں

ڈاکٹر صفدر مرحوم بقید حیات ہوتے تو خدا جانے کس آب و تاب سے یہ مرثیے چھپواتے، خدا ان کی مغفرت فرمائے۔ ایک سورۃ فاتحہ کا ثواب ان کو پہنچا کر آپ بھی مثاب ہوں۔

ریاض مرحوم کے انتقال کے ۹۸ برس کے بعد اس کلام کی موصوف کے نام کے ساتھ چھپنے کی نوبت آئی ہے اور بقول اپنے استاد کے ؎

کس واسطے جستجو کروں شہرت کی
ایک دن خود ڈھونڈے گی شہرت مجھ کو

کے مصداق نظر آرہے ہیں۔ ایک سورۃ فاتحہ ان کے اور ان کے متذکرہ اہل خاندان کے لئے تلاوت فرما دیجئے۔ شکریہ

ناچیز۔ سلطان حسین

۱۰-۳-۸۳

تبصرہ از جناب ڈاکٹر سید قمقام حسین صاحب

ایم ۔ اے ۔ پی ۔ ایچ ۔ ڈی

ریاضؔ سید ریاض الدین حسن مرحوم

سید ریاض الدین کے مورث سید شرف الدین موانہ میں سکونت پذیر ہوئے ۔ اُن کے عظیم الشان مکان کا نام "دربار" تھا ۔

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں ریاض الدین کے والد ماجد سید جلال الدین حیدر میرٹھ کے کوتوال تھے ۔ اپنے قرب و جوار کے وہ بڑے نامور رئیس تھے ۔

" سادات بارہہ نے تقریباً دو درجن معروف شعرأ پیدا کئے ہیں ۔ جن میں میر ریاض الدین ریاضؔ سب سے زیادہ اہم ہیں کیونکہ وہ براہِ راست میر انیسؔ کے شاگرد تھے ۔ غدر سے قبل کسرٹ کے محکمے میں ملازم اور سیتا پور میں متعین تھے ۔ ۔ ۔ نہایت زود گو اور قادر الکلام شاعر تھے ۔ تقریباً ڈیڑھ سو مرثئے تصنیف کئے تھے ۔ ۱۹۱۸ء میں وفات پائی ۔ قصبہ موانہ ضلع میرٹھ میں مدفون ہیں ۔" [1]

ریاضؔ مرحوم نے پہلا مرثیہ حضرت عباسؑ کے حال میں لکھا جس میں ۱۱۳ بند ہیں ۔

پہلا بند دیکھئے ۔

جوہرِ تیغِ سخن ذہنِ رسا ہے میرا ۔ حامی و مرثیہ داں سیفِ خدا ہے میرا

داغ سے پاک مہِ نظم ثنا ہے میرا ۔ وہ رقم ہے کہ عطارد بھی گدا ہے میرا

---

[1] ڈاکٹر سید صفدر حسین زیدی مرحوم گرامی نامہ بنام راقم الحروف مورخہ ۱۵؍ جون ۱۹۸۶ء

خلد ہے جس کا صلہ یہ وہ ثنا خوانی ہے
نظم اوّل ہے فصاحت میں یہ لاثانی ہے

انیسؔ جیسے باکمال فن کار کی اصلاح نے ریاضؔ کے ذوقِ سخن کو خوب نکھارا۔ چھٹا مصرع اس کا ثبوت ہے۔ مرثیے کے چہرے میں ریاضؔ نے انیسؔ مرحوم اور ان کے ہم عصر اہلِ خاندان سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ بعد ازاں حضرت عباسؑ کی آمد سے رن کی جو کیفیت ہوگی اس کی کامیاب مرقع کشی ہے۔

'شیرِ خدا کی شیر' کی آمدِ معرکہ' کارزار میں ایک تلاطم بپا ہو گیا۔ بڑے بڑے شورما' راہِ فرار کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔

گلشنِ عالمِ ایجاد پہ خزاں کی کیفیت طاری ہے۔ نرگسِ شہلا حیران ہے۔ پھول مرجھائے ہوئے ہیں۔ ہر نخل کی ڈالیاں خوف سے سر ڈالے ہوئے ہیں۔

'سیفِ خالقؑ کا یہ رعب ہے کہ بڑے بڑے بہادر سپر فاہن میں منھ چھپائے ہوئے ہیں۔ ہر طرف

بند ۱۴ شور ہے بازوئے فرزندِ نبیؐ آتا ہے
امتحاں ہوں گے دلیروں کے جری آتا ہے
زخمِ شمشیر بھی سِلیں گے کہ ینی آتا ہے
پیک کہتے ہیں نہیں دہر ابھی آتا ہے
کھینچ لو میان سے تیغوں کو خبردار رہو
شیر آتا ہے ذرا گھات سے ہشیار رہو

ل داروغہ سید سلطان حسین صاحب زیدی ناقل ہیں کہ انھوں نے ریاضؔ الدین مرحوم کے بیٹے سید ناصر الدین کے پاس یہ مرثیہ دیکھا تھا جس پر انیسؔ مرحوم کی اصلاح بھی اور صاحب موصوف نے ایک مصرع "نبی" کے قافیہ پر تحریر فرمایا تھا کہ "میر صاحب یہ آپ ہی کا حصہ ہے۔"

میدانِ کارزار کی یہ کیفیت ہے کہ سب پیر و جواں خوف سے تھرّا رہے ہیں۔ اُدھر حضرتِ عباسؑ نے خیمے میں جا کر اپنے اہل و عیال کو صبر کی تلقین فرمائی بی بی سکینہؑ سے مشکیزہ طلب کیا تاکہ نہر سے جا کر پانی لے آئیں۔

امامِ عالی مقام سے اجازت حاصل کرنے کے بعد حضرت عباسؑ معرکۂ کارزار کی طرف روانہ ہوئے۔

رزمیہ شاعری کی جھلک

رزمیہ شاعری میں مجاہد کے شبک رفتار رہوار اور اُس کی شمشیرِ آبدار کی تعریف ناگزیر ہوتی ہے۔

حضرتِ عباسؑ نے رہوار کی باگ لی تو اس کی سُرعت سے نسیمِ سحر گرد ہو گئی۔ اللہ رے تخیّل کی رفعت۔

بند ۳۶

برق حیراں ہوا گر اس کے طرارے دیکھے
حوریاں اس کی ہر اک آن سے واری دیکھے
گھوڑے اس طرح کے عالم میں نہ بارے دیکھے
ہل گئی دھوپ میں ہر کل تو ستارے دیکھے

اس طرح تیز پرندوں کی بھی پرواز نہیں
یہ سبک خیز ہے کچھ سانس میں آواز نہیں

شمشیر کی تعریف

اس ضمن میں یہ ملحوظِ خاطر رہے کہ شمشیر کی تعریف دراصل صاحبِ شمشیر کی تعریف ہوتی ہے۔ تلوار کی جھنکار دشمن کے لئے کوسِ رحیل ثابت ہوتی۔ اس کی چمک سے دلِ مہر دھڑک جاتا اور اس کی ضو سے دلِ مریخ پھڑک جاتا۔

بند ۷۹

چرخ کی سمت چلی جاتی تھی گاہے سَن سَن | واں سے گرتی تھی ہر اک فرد کے سر پُر زَن زَن
فرق سے کھینچتی تھی اعدا کے سروں کو تَن تَن | بن کی جانب کو لپکتی تھی وہ شعلہ بَن بَن

شعلہ باری سے وہ جنگل کو جلا کر نکلی
جب چلی فوج میں ہر اک کو مٹا کر نکلی

مندرجۂ بالا بند کے قوافی قابلِ ستائش ہیں سَن سَن و زَن زَن کے صوتی اثرات نے مفہوم کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔

تیسرے مصرع میں لفظ 'فرق' ذو معنی ہے --- سر، اور فاصلہ کے مفہوم میں دشمن پر وار کرنے کے لئے تلوار بلند ہوتی ہے۔ شاعر نے اسلوب طرازی سے چار چاند لگا دیئے۔ چوتھے مصرع میں بندشِ الفاظ جڑنے سے نگوں کے کم نہیں۔

مذکورہ بند میں اندازِ بیان، لطفِ زبان اور صنائع و بدائع کا برمحل استعمال قابلِ ستائش ہے۔ جب تیغ نے تا لبِ نہر میدان صاف کر دیا تو حضرت عباسؑ نہر تک پہنچ گئے۔ آپ نے جھک کر مشکِ سکینہؑ بھر لی خود بھی تشنہ لب رہے اور گھوڑے نے بھی اپنی پیاس نہ بجھائی۔ اتنے میں کفارِ بے دین آ گئے اور تلواریں چلنے لگیں۔ آپ نرغۂ اعداء میں گھر گئے۔ (بند ۸۴)

ناگہاں پڑ گئی اک شانہ پہ جب تلوار | کٹ گیا ہاتھ گرا رایتِ شاہِ ابرار
مڑ کے دیکھا کیا اور ستم گار نے وار | دستِ ثانی بھی ہوا قطع ہوئے آپ ناچار

حسرت و یاس سے گردوں کی طرف کو دیکھا
مشک کو دانتوں میں اور مڑ کے نجف کو دیکھا

حضرت عباس علمدار کے دونوں ہاتھ شانوں سے کٹ گئے اور بدن سے خون بہنے لگا۔ ناگہاں جری کی مشک پر تیر لگا۔

خوں کے ہمراہ بہا مشک سے پانی یکسر
غش میں گھوڑے سے گرا نورِ نگاہِ حیدر ؑ

فوجِ یزید میں فتح کے باجے بجنے لگے۔
اس دلخراش سانحے سے امام مظلوم کی کمر بھی ٹوٹ گئی اور آنکھوں کی روشنی بھی زائل ہو گئی۔

<u>بین</u> ــــ مرثیہ کا اختتام عموماً بین پر ہوتا ہے۔ مرثیے کے اجزائے ترکیبی میں تغیر و تبدل ہونے کے باوجود بین کی اہمیت بدستور قائم ہے۔
امام علیہ السلام نے حضرت علی اکبرؑ سے فرمایا۔

بند ۹۵

کہہ دو چلا کے پچھلے صفِ ماتم زینبؑ | مجھ کو بھی رخصت کریں ماتم عباسؑ بھی اب
دم نکلتا ہے مرا اب لبِ دم میں ہے تشنہ لب | زیست دشوار ہے بیٹا قتل ہوا بھائی عجب

دلِ ناشاد کو کس طرح سنبھالوں بیٹا
مردہ دیکھوں اسے جس شیر کو پالوں بیٹا

مرثیے کے اجزائے ترکیبی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ریاض مرحوم نے پہلا مرثیہ[1] نظم کیا۔ مرثیہ کے بند مربوط ہیں۔ ان میں ہم آہنگی ہے۔
مرثیے میں واقعہ نگاری بھی ہے اور کردار نگاری اور منظر نگاری کے علاوہ نمونے بھی ہیں۔ بین انتہائی دلخراش ہیں جنہیں پُر خلوص جذبات کا اظہار کہا جائے۔

---

[1] ا۔ چہرہ ۲۔ سراپا ۳۔ رخصت ۴۔ آمد ۵۔ رجز ۶۔ جنگ ۷۔ شہادت اور دس بین ساقی نامے کا اضافہ بعد میں ہوا۔

تشبیہات کی معنی آفرینی   لطف

زبان اور زورِ بیان کی جس قدر تعریف کی جائے وہ کم ہے اس مرثیے کے پڑھنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ریاضؔ مرحوم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں۔

"نظم اوّل ہے فصاحت میں یہ لاثانی ہے۔

ـ ٭٭٭ ـ

maablib.org

ریاض الدین مرحوم کا دوسرا مرثیہ

ریاض الدین مرحوم نے ایک سو پچاس[۱۵۰] مرثیے تصنیف فرمائے لیکن اُن کا زیادہ تر کلام تلف ہو گیا۔

ڈاکٹر سید صفدر حسین مرحوم نے اُن کے انیس[۱۹] مرثیوں کی نشاندہی فرمائی تھی اور چودہ مرثیے "ریاضِ خلد" کے عنوان سے شائع کرانا چاہتے تھے لیکن زندگی نے اُن کو موقع نہ دیا۔

ریاض مرحوم کے خاندان کے ایک بزرگ محترم داروغہ سید سلطان حسین صاحب زیدی نے بارہ مرثیے فراہم کئے ہیں۔ اس فہرست میں شائع ہونے والا یہ دوسرا مرثیہ ہے جس کا مطلع ہے

اُس فوج کا مداح ہوں جو تشنہ دہاں ہے

ایک سو چالیس[۱۴۰] بند کا یہ مرثیہ حضرت حبیب ابنِ مظاہر کے حال میں ہے یہ ملحوظ خاطر رہے کہ حسینی مجاہدین میں حضرت حبیب ابنِ مظاہر سب سے مسن تھے اِن کی جسمانی کیفیت کی حسب ذیل بند عکاسی کرتا ہے۔

بند ۱۷

ہے حسن جوانی کا عیاں پشت کے خم سے

یہ ماہ ہیں ہر شہر ذی جاہ و حشم سے

دل اِن کا لگا رہتا ہے مولا کے قدم سے

ہاں جھک گئے ہیں شاہ کے یہ بارِ کرم سے

تیار ہیں حملوں پہ سدا شیر کی صورت
اعدا پہ جھکے رہتے ہیں شمشیر کی صورت

چوتھے مصرعے میں صنعتِ حسنِ تعلیل نے کس قدر لطف پیدا کر دیا
چھٹا مصرع تشبیہ کا نادر نمونہ ہے۔ جھکنے سے یہ ظاہر ہے کہ یہ غازی فروتن ہیں
اور اس نمازی کو سجدوں کا شوق بھی دامن گیر ہے۔ جب حضرت ابنِ مظاہر
جھک جھک کر وار لگائیں گے تو اعدائے دیں کم سے کم چورنگ ہو جائیں گے۔

سراپا

مرثیے کے تیسری دور میں "عناصرِ اربعہ"[1] نے سراپا کو بھی مرثیے کے
لوازم میں شامل کر لیا۔ شاعر ہیرو کے جسمانی اعضاء کی تعریف پرشکوہ
الفاظ میں کرتا ہے۔ 'سراپا' کے بیان کرنے میں فرقِ مراتب کا خیال رکھنا
ضروری ہے۔

اس موضوع سے عہدہ برآ ہونا جوئے شیر لانا ہے۔
انیسؔ مرحوم کا یہ فیض ہے کہ اُن کے شاگردوں نے بھی اس موضوع پر
خوب خوب گلکاریاں کیں ملاحظہ فرمائیے۔

بیسواں بند

ہے جلوۂ پیری سے فقط نور سراپا
سائے میں شہ دیں کے بڑا پلا ہے بڑھاپا
یہ حسن لعینہ ہے رُخِ خضر کا چھاپا
اوسط ہے قدِ پاک قیامت نے جو ناپا
یہ رشک بڑھا پا ہے کہ منھ ڈھانپ رہا ہے
سرہلتا ہے یا مہرِ مبیں کانپ رہا ہے

مندرجہ بالا بند کے دوسرے مصرع میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے
کہ حضرت حبیب ابنِ مظاہر امام حسینؑ کے بچپن کے ساتھی تھے اور ان کے عقیدت مند شیدائی بھی۔

---

[1] میر مستحسن خلیق، میر مظفر حسین ضمیر، مرزا جعفر علی فصیح اور غلام حسین دلگیر

تیسرے مصرع میں لفظ 'چھاپا' شاعر کے مفہوم کی احسن طریقے سے وضاحت کرتا ہے۔

'چھاپا' مختلف معنی میں مستعمل ہے یہاں مراد صورت یا تصویر سے ہے کنایۃً دو شخصوں یا دو چیزوں کا صورت اور انداز وغیرہ میں مشابہت رکھنا۔

شعرا اپنے محبوب کے قد کو قیامت سے تعبیر کرتے ہیں اور کبھی یہ نظریہ پیش کیا جاتا ہے کہ

ترے سرو قامت سے اک قدِ آدم ‏ ‏ قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں

ریاضؔ کی اسلوب طرازی نے سونے پر سہاگے کا کام کیا ہے۔

اوسط ہے قدِ پاک قیامت نے جو ناپا' لاجواب مصرع ہے۔

استعارہ شاعری کی جان ہے۔ مہرِ مبیّں استعارہ ہے حضرت حبیب کے ہلتے ہوئے سر کو مہرِ مبیّں کہا ہے۔ یہ مصرع سحرِ حلال ہے۔

انیسؔ مرحوم کا مرثیہ بھی لاجواب ہوتا ہے اور بیتیں بھی بے مثال ہیں۔

ریاضؔ مرحوم کے بند ۵ کی بیت ملاحظہ ہو۔

کف منھ میں تھا غصّے سے پسینہ تھا جبیں پر
یوں زین پہ تھے جس طرح سے ہو نقش نگیں پر

اس بیت کا پس منظر ذہن میں رہے۔ حضرت حبیب ابن مظاہر امام عالی مقام سے رخصت لے کر میدانِ کارزار میں پہنچے۔ افواجِ دشمن سے مخاطب ہو کر رسول اکرمؐ سے امام علیہ السلام کا رشتہ یاد دلایا ان کو صراطِ مستقیم پر گامزن ہونے کی تلقین کی لیکن ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ انھوں نے حبیب ابن مظاہر کو للکارا ان کے غیظ و غضب کی مرقع کشی کس قدر فطری ہے۔

پانچویں مصرع میں قلبی واردات' اور نفسیات کی نا در مصوری ہے۔

چھٹا مصرع تشبیہ کی عمدہ مثال ہے۔ حضرت حبیب ابن مظاہر عزم و استقلال کا مجسمہ تھے۔ آج لشکرِ اعدا کو روندڈالوں گا جوشِ ایمانی کی وجہ سے میرا شیب شباب سے بدل گیا آؤ تو میرے مقابلے میں، ہیں وہ تیغیں ہوں جس پر نقشِ وفا کھدا ہوا ہے۔ صفین وخیبر کے معرکے مجھے یاد ہیں۔

رجز

شمالی ہند میں جب مرثیہ کا تعمیری دور شروع ہوا اس وقت سے رجز کو مرثیے کے اجزائے ترکیبی میں شامل کیا گیا۔

بند ۶۳

استاد مرا مرشدِ جبریلِ امیں ہے | جنگاہ سے عادت مجھے ہٹنے کی نہیں ہے
جو باب علی پر ہے گھسی یہ وہ جبیں ہے | کچھ شک نہیں ہم رتبۂ خورشید مبیں ہے

اس سینے میں ہے عشق ولی ابن ولی کا
ان ہاتھوں میں دامن ہے حسین ابن علیؑ کا

اندازِ بیان میں صداقت بھی ہے اور ولولہ و جوش بھی سارے قصۂ رجز میں تاثیر کا عنصر جلوہ گر ہے۔

حبیب ابن مظاہر کی شمشیر چلی تو افواج دشمن کے سر برسنے لگے۔ ہر پہر سے ہر سمت دھواں نظر آنے لگا۔ معرکۂ کارزار قیامت کا منظر پیش کر رہا تھا۔

معرکۂ کارزار کی ایک جھلک

بند ۶۷

کرنے لگی لشکر کو قلم پیر کی شمشیر | ترکیب دکھانے لگی گلگیر کی شمشیر
رکنے لگی ہر بائی تزویر کی شمشیر | کفار کی ہر تیغ تھی تصویر کی شمشیر

وہ کانپ کے بھاگے جو جفاؤں پہ تُلے تھے
در فتح کے تھے بند ہزیمت کے کھلے تھے

گلگیر (ف) شمع یا چراغ کی بتی کترنے کی قینچی یا اوزار۔

حضرت حبیب کی شمشیر گلگیر کی خصوصیات کی حامل ہے اس لئے اس نے اعدا کے سروتن میں جدائی کر دی۔ تصویر کی شمشیر شاعر کے مفہوم کی بھرپور وضاحت کرتی ہے۔ کفار کی ہر تیغ کاغذی تصویر تھی اسی لئے ناکارہ ثابت ہوتی تھی۔

بڑے بڑے ستم شعار جناب حبیب کی شجاعت کے قائل ہو گئے۔ بعض نے راہِ فرار اختیار کی اور باقی "کندے سقر کے بن گئے ناری جلے ہوئے"۔ شمشیرِ آبدار کی چمک کے انداز بجلی کو جلا دینے کے لئے کافی تھے۔

تین دن کی بھوک پیاس میں بھی جناب حبیب نے بہت سے دشمنوں کو واصلِ جہنم کیا۔ جب حرب و ضرب کی طاقت نہ رہی تو ان کا دل مضطر ہو گیا۔ دشمنوں میں گھر گئے۔ کہاں تک تیغ و تبر کے وار برداشت کرتے۔ تھرا کے پشتِ فرس سے زمین پر گرے۔

"اک شور اٹھا یاورِ شبیرؑ کو مارا"

امامِ عالی مقام حضرت ابن مظاہر کے لاشے پر پہنچے اور اس طرح بین کئے۔

بین ۔ بند ۹۹

اے میرے مصاحب مرے یاور ترے صدقے
اے حامیٔ دیں زینتِ لشکر ترے صدقے
اے میرے جری میرے غضنفر ترے صدقے
ہر زخم پہ بیکس و مضطر ترے صدقے

عاشق یہاں شبیرؑ کا ایسا نہیں کوئی ،
یوں سب ہیں مگر ساتھ کا کھیلا نہیں کوئی

امام علیہ السلام کے دوسرے انصار و اعزہ نے بھی جام شہادت نوش فرمائے۔ اور

" عصر کے وقت حسین ابن علیؑ تنہا تھے "

بعد ازاں امام مظلوم کا سوکھا گلا تھا اور شمر کا خنجر۔

کاٹا جگر نبیؐ کا علیؑ کا بتول کا   پہنچا گلے سے شاہ کے خنجر کہاں کہاں

شہدا کے سر نیزوں پر نصب کئے گئے۔

ایک شامی ملعون حضرت حبیب ابن مظاہر کا سر لے کر مکّہ کی جانب روانہ ہوا تاکہ انعام و اکرام سے نوازا جائے۔ مکّہ کے دروازے پر حضرت حبیب کے صاحبزادے موجود تھے۔ جب ان کو علم ہوا کہ امام علیہ السلام کی نصرت کرتے ہوئے ان کے والد شہادت کو مرتبے پر فائز ہوئے تو انھوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

بعد ازاں اس ملعون شامی کا سر پتھروں سے کچل ڈالا اور اپنے باپ کے سر کو کعبے میں دفن کیا۔

کعبے کی زمین آہ و بکا سے تھراتی تھی گلیوں میں اطفال سر پیٹتے تھے۔

خاموش ریاضت کہ قیامت ہوئی ظاہر   آقا ترے احوال سے ہیں ماہرو باہر

اس مرثیے میں ریاض الدین نے ریاضت تخلص اختیار کیا۔ اس مرثیے کی نمایاں خصوصیت محاسنِ زبان کے علاوہ مصوری بھی ہے۔

رجز اور سراپا کے بیان میں ان کے تخیل کی جولانیاں فکر انگیزی پر مبنی ہیں معرکہ کارزار کی منظر نگاری میں بھی ان کو یدِ طولیٰ حاصل تھا۔

ریاضت مرحوم کی مرثیہ نگاری ارباب ذوق کے لئے دعوت فکر و نظر ہے

تیسرا مرثیہ

اس مرثیے کا مطلع ہے "جب تُرکِ آسماں نے علم کی حُسامِ زر"
امام زین العابدینؑ کے تُرکِ غلام کے حالات اس مرثیے میں بیان کیے گئے ہیں۔ تعداد بند چوراسی ہے۔ چند بند غائب ہیں جن کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔

چہرہ

مرثیے کے اجزائے ترکیبی میں چہرے کی حیثیت مُسلّم ہے۔

چہرہ یعنی مرثیے کا آغاز

مرثیے کے موضوع کے پیشِ نظر مرثیہ نگار کو چہرہ دلکش انداز میں پیش کرنا چاہیے۔ تاکہ سامعین / قارئین کی توجہ جلد مبذول ہو جائے۔

منظر نگاری

چہرے میں منظر نگاری کے عمدہ نمونے ہیں منظر وہ کیفیت ہے جو چند واقعات یا جزئیات کی تفصیل کی رہین منت ہوتی ہے اگر شاعر کا مشاہدہ وسیع ہو تو منظر نگاری میں تنوع کے امکانات ہیں۔ پانچواں بند ملاحظہ ہو۔

ہمراہ مشکِ شب ہوا کافور بدر — تھا لکۂ سحاب کی صورت ظہورِ بدر
پایا قرار آمدِ شب پر نشورِ بدر — خالی مئے ضیا سے ہوا سب خمورِ بدر

عارف تھے محوِ ذکر سے کافور شراب سے
صہبائے ضَو چھلکنے لگی آفتاب سے

مُشک - ایک قسم کی خوشبو جو تاتار درختن کے نافے سے نکلتی ہے شعرا زلفِ معشوق کی سیاہی کو بھی اس سے تشبیہ دیتے ہیں۔

کافور۔ ایک نہایت تیز سفید خوشبودار مادہ ۔ کافور کی سفیدی اور آگ پر اُڑ جانا ضرب المثل ہے ۔ لکہ سحاب ۔ ابر کا ٹکڑا ۔ نشور ۔ دوبارہ زندہ ہونا ۔ شب کا اختتام ہے اور سحر کی ابتدا ہے ۔ اس مفہوم کو شاعر نے تشبیہات کا سہارا لے کر مندرجہ بالا بند میں نظم کیا ہے ۔

" فلک پہ چاند خجالت سے منہ چھپانے لگا "کوہ و دشت و در سے مہر صبح کا ظہور ہونے لگا ۔ اس منظر کا اثر مختلف نوعیت کا ہے عارف ، باری تعالیٰ کی یاد میں مصروف ہیں اور کافر شراب کے نشہ میں سرشار ہیں ۔

اس کے بعد چند بند غائب ہیں ۔

صبح عاشورا امام حسینؑ میدانِ کارزار میں تشریف لائے ۔ اقبال کی صدا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ایسا محبوب بندہ ہے جو سرفراز و حق پرور ہے جہاد کا مقصد ہے اس لئے اِن کے چہرۂ اقدس پر جلال ہے ۔

افواجِ شام پر قہرِ ذوالجلال نازل ہوگا ۔ فرش و عرش سب تھرا ئیں گے ۔ ابھی سے یہ حال ہے کہ

"بیٹھی ہے خاک خوف سے نزدیک و دھکی"

سولھواں بند

اقبال آگے آگے ہے ہر سمت ہے سپاہ ۔ نقیبا ، اوج کی ہے صدا روبرو نگاہ
دہنے کو تازیوں پہ ہیں اطفالِ رشکِ ماہ ۔ بائیں طرف رواں ہیں جوانانِ کج کلاہ
گو ہیں ضعیف سینے میں لیکن تنے ہوئے
ہیں پیر شاہِ دیں کے مصاحب بنے ہوئے

، شاہِ دیں کے انصار فلک اقتدار ہیں ۔ مئے عرفاں سے سرشار ہیں ایسے ہیں آگے بڑھ کر امام حسینؑ نے اتمامِ حجت فرمائی لیکن اعدائے دیں راہِ

راست پر نہ آئے۔

تیر آئے فوج زخمت و زلوں سے جواب ہیں

جنگ کا آغاز ہوا حبیب ابنِ مظاہر قیس عابس اور بلال نے اپنی جانیں قربان کیں۔ بعد ازاں امام زین العابدینؑ کے ترک غلام نے اپنے آقا سے اس تمنا کا اظہار کیا کہ وہ بھی امام مظلوم پر قربان ہونے کا خواہشمند ہے۔ اجازت دینے کے بعد انھوں نے۔

پہنایا اس کو خلعتِ زیبا بصد حشم
ہتھیار بھی عطا کئے اپنے بہ سے کرم

حضرت امام حسینؑ سے اذن اور راہوار کا عطیہ حاصل کرنے کے بعد خادمِ زین العباد بہر نبرد روانہ ہوا۔ اللہ ری فرس کی تیز رفتاری کہ ہوائے تند کا جھونکا بھی تھک کے رہ گیا — رخش تھا یا ہوا پہ برق کی تصویر شاعر نے اس کی یہ توجیہ پیش کی۔

بند ۴۳

حق نے جو اس فرس کے عناصر کئے بہم
نہ آگ اور نہ آب و ہوا کچھ تھے پیش و کم
ڈالا بجائے خاک کے سیماب یک قلم
پھر کس طرح نہ تیز ہو اسپِ خوش قدم

جب یہ چلا نہ ساتھ کسی کی نظر گئی
گردِ قدوم صرف نظر آکے رہ گئی

مادّی جسم کے عناصر ہیں۔ آب آتش خاک اور ہوا شامل ہیں۔ لیکن فرس کو سیماب کی مانند قرار نہ تھا اس لئے شاعر کا خیال ہے کہ خاک کے بجائے اس میں سیماب ڈالا گیا تھا۔

یہی سبب ہے کہ یہ "ثابت مقابلے میں ہے سیارہ چال میں" آن کی آن میں ترک غلام میدانِ کارزار میں پہنچ گیا۔ افواج اعدا میں تہلکہ برپا ہے

سپاہی جاں بلب ہیں اور لشکرِ حلب آئینہ کی طرح حیراں ہے۔ ایسے میں وہ رجز خواں ہوا۔

رجز۔ عرب کے قدیم دستور کے طرف اشارہ ہے۔ کامیاب رجز کے لئے جدت و ندرت اور پرشکوہ الفاظ کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں ہے۔

بند ۵

آقا ہے میرا زینتِ زہاد و عابدیں
کہتا ہے نام شرح کی حاجت کوئی نہیں

کیا کیا صفت بیان کرے مطلع و حزیں
خورشید ہیں امام مبیں قبلہ و یقیں

شکلیں انھیں سے طاعتِ حق کی سنورتی ہیں،
روزوں میں دن نمازوں میں راتیں گزرتی ہیں

مندرجہ بالا بند میں صداقت و حقیقت کا بیان بھی ہے اور لطفِ زبان بھی ہے۔

رجز کے بعد وہ نبرد آزما ہوا۔ اس کی حسام کی ضو گردوں سے پار ہونے لگی۔ فوج شام کی شامت آگئی

اعضا فقط نہ کٹتی تھی وہ شعلہ رو چلا
وحشت سے ہوگئے تھے عناصر جدا جدا

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن کی زبان پر نفسی نفسی کے کلمات جاری تھے صفیں درہم برہم ہوگئیں۔ تیغ زنوں نے اپنی جانوں کو بچانے کے لئے راہِ فرار اختیار کی۔ لیکن سردارِ لشکر کی زجر و توبیخ کا یہ اثر ہوا کہ وہ میدان میں واپس آگئے۔ ترک غلام کو گھیر لیا اور اس پر وار کرنے لگے۔

جب اس کے سر پہ گرز گاؤ سر پڑا اس وقت

طاقت جواب دے گئی بیتاب ہوگیا
گر کر زمیں پہ ماہیِ بے آب ہوگیا

امام عالی مقام حضرت علی اکبرؑ اور حضرت عباسؑ کے ہمراہ اُن کے پاس پہنچ گئے اور اُن سے فرمایا۔

بند نمبر ۸

جو آرزو ہو دل میں بیاں کر دو مجھ سے اب | افسوس تیرے پیاس سے سوکھے ہوئے ہیں لب
کی عرض اُس نے ہو گئی حاصل مُرادِ اب | آئے ہیں میرے لینے کو سالارِ رسولؐ آب

کیا خلق ہے کہ دور سے پھیلائے ہاتھ ہیں
شبرؑ بھی اور شیرِ الٰہی بھی ساتھ ہیں

مذکورہ بالا مرثیے میں منظر نگاری۔ تخیل کی رعنائی اسلوب طرازی کے عمدہ نمونے ہیں۔ اُسوۂ حسنہ کی جھلکیاں بھی ہیں اور زبان کی خوبیاں بھی ہیں۔ یہ محاسن ریاضؔ مرحوم کے قادر الکلام ہونے کا ثبوت ہیں۔

--- ۰۰ ۰۰ ---

maablib.org

چوتھا مرثیہ

مطلع :- جب دشتِ کربلائے معلیٰ جناں ہوا

مرثیہ حضرت مسلم بن عقیل کے اُن دو صاحبزادوں کے بارے میں ہے جو کربلائے معلیٰ میں شہید ہوئے۔ تعداد بند ۱۰۸ ہے۔ لیکن یہ مرثیہ نامکمل ہے آخر کے بند غائب ہیں۔

ریاضؔ مرحوم نے چہرے کا آغاز منظر نگاری سے کیا ہے۔ ۲ محرم ۶۱ھ کو امام عالی مقام سلطانِ ارجمند جب کربلا میں وارد ہوئے تو فرات کے قریب تشریف لے گئے۔

چہرہ :-

ناگاہ سمتِ کوفہ سے طوفاں بلند ہوا ساحل کے ہونٹ سوکھ گئے۔ ہر اک حباب پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

پانچواں بند

پانی پہ مچھلیاں ہوئیں بیتاب ہر گھڑی ہوئیں وہ نوحہ گر کبھی زبانیں نہ تھیں مگر
پانی ہوئے نہنگوں کے دل غم سے سربسر سراسیما پھرنے لگے دریا کے جانور
اک تیرگی سی چھا گئی سارے جہان میں
دریا کا دود آہ ملا آسمان میں

مندرجہ بالا بند کسی ایسے دلخراش سانحہ کی غمازی کر رہا ہے جس کے دلسوز اثرات سے انسان تو انسان جانور بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ آہوں کا دھواں بلند ہو کر آسمان تک پہنچ گیا۔

ریاضؔ مرحوم نے ڈرامائی انداز میں مرثیے کا آغاز کیا۔ سامعین اور قارئین پر تردد اور تشویش کی کیفیت طاری کردی۔ اس کے بعد کیا ہوگا۔

اتنے میں دو ننھے ننھے لاشے دریا میں بہتے ہوئے حضرت امام حسینؑ کو نظر آئے جن کے جسموں پر سر نہیں۔ آبِ رواں کا کفن پہنے ہوئے ہیں۔

حضرت فاطمہ زہراؑ کے بین کی آواز آ رہی ہے۔ ماتم کا غل ہے شور و شین بپا ہے۔

گیارھواں بند:۔

بے جرم ذبح ہوگئے فرزندِ رشکِ ماہ   مسلمؑ کی روح کہتی ہے گھر ہو گیا تباہ
دونوں ہیں میرے گوہرِ نایاب آہ آہ   جاتے ہیں جو بہے ہوئے پانی پہ بے کلاہ

بعد فنا بھی تازہ مصیبت دکھائی ہے
لوٹا ہے ظالموں نے خدایا دہائی ہے

اسی وقت امام عالی مقام نے حضرت عباسؑ سے فرمایا "دونوں کو مثلِ گوہر بحر نکال لو"۔ حضرت عباسؑ دونوں لاشوں کو دریا سے نکال لائے۔ حکمِ خدا سے انھوں نے کہا۔

"اُمّتِ نبیؐ کہ بندۂ ربِ جلیل ہیں
ہم دونوں نور دیدۂ ابنِ عقیلؑ ہیں"

یہ بھی بتایا کہ قاتل نے ہمارے سر جدا کرکے ہمیں دریا میں ڈال دیا۔

اس داستانِ غم سے قیامت برپا ہوگئی۔ انصار و اقربا اپنے سر پیٹنے لگے۔ جب خیمے میں دونوں کے لاشے پہنچے تو وہاں کہرام مچ گیا۔ زوجۂ مسلمؑ لاشوں کو دیکھ کر غش ہوگئیں۔ بعد ازاں سلطانِ ابرار وہاں سے دونوں لاشوں کو اٹھا لائے۔

بند ۴۳

یہ کہتے کہتے غش ہوئی آخر وہ سوگوار　　لاشے اُٹھا کے لے گئے سلطانِ نامدار
صحرا میں دفن کرکے بنائے نئے مزار　　فرمایا آہ کھینچ کے کیوں چرخِ بے مدار

ہم بعد مرگ بھی یہ مصیبت اُٹھائیں گے
تا اربعینؔ گور و کفن کچھ نہ پائیں گے

یوم عاشور جب معرکہ کارزار گرم ہوا تو امام حسینؑ کے انصار ان کے نام نبرد سر کے اطاعت میں مرگئے۔ ان کے بعد اعزہؑ کو اذنِ جہاد ملا وہ بھی شوقِ شہادت سے سرشار تھے۔

حضرت مسلمؑ کے صاحبزادوں نے اجازت حاصل کرنے میں سبقت فرمائی۔ لبعد ازاں وہ اپنی والدہ ماجدہ سے رخصت ہو کر میدانِ جنگ میں پہنچ گئے اور دشمنوں سے یوں مخاطب ہوئے۔

رجز :۔
بند ۸۱

ہم وہ ہیں گر نبرد کا ہم کو خیال ہو　　گردوں سپر ہو اپنی سر دی ہلال ہو
آئے شہاب نیزے کی گر بچہ بحال ہو　　مریخ ایک نیچہ بے مثال ہو

حکم رواں ہو بادِ بہاری کے واسطے
رفرف فلک سے آئے سواری کے واسطے

رجز میں جوش و خروش ہے ولولۂ جنگ ہے۔ افکار کی دلآویزی ہے صنائع و بدائع کا برمحل استعمال ہے جو حسنِ شعر کا زیور ہے۔

لے عاشور محرم کو ہوئے قتل حسینؑ / پر قبر میں بعدِ اربعین دفن تھے تو دانش مرحوم

بلیغ رجز سن کر اعدائے دیں کے ناطقے بند ہو گئے۔ جواب میں اُدھر سے تیر آئے تو دونوں نے فاتحہ پڑھ کر شمشیریں کھینچ لیں۔

رزمیہ شاعری

مرثیہ کے تیسری دور میں میر ضمیر نے رزمیہ شاعری کی ابتدا کی میر انیس نے اس صنف کو عروج پر پہنچایا۔ ریاض مرحوم نے میر صاحب سے استفادہ کیا تھا۔ اس لئے ان کے مرثیوں میں رزمیہ شاعری کے عمدہ نمونے ملتے ہیں۔

تلوار کی تعریف

تلوار کی تعریف بھی رزم نگاری کا ایک اہم موضوع ہے۔ ریاض مرحوم نے تیغ کی تعریف میں اچھوتی اور نادر ترکیبیں استعمال کی ہیں۔

بند ۸۷

دو بجلیاں قضا کی یہ چمکیں جو ایک بار ۔۔۔ بارش ہوئی سروں کی ہر دست آشکار
لشکر کا کھیت ہو گیا اللہ سے کارزار ۔۔۔ میدانِ گیر و دار بنا خوں سے لالہ زار
دنیا میں اہلِ شام کی کھیتی لہو ہوئی
آخر کو آخرت کی زراعت نمو ہوئی

نیمچوں کی چوٹوں سے کون سی گھاٹیاں نہ بچیں، ہاں دریا کی نہر میں جا کے مگر مچھلیاں بچیں۔

باغیوں کو باغِ ضلالت کا پھل مل گیا اور جنگل میں زخم کے پھولوں کا کھیت کھل گیا

رہوار کی تعریف

رزمیہ شاعری میں ہیرو کے رہوار کی بھی تعریف کی جاتی ہے۔

دونوں کے فرس تیزی میں فرد تھے۔ دو دم ہوتے چینی جلو ریز تھے ہوا بھی ان کا ساتھ دینے سے قاصر رہ گئی۔

معرکہ کارزار کی ایک جھلک

بند ۹۹

کس طرح معرکہ نہ ہو میدانِ رستخیز | چالاک اسپ تھے کچھ برق سے بھی تیز
برہم تمام ہو گیا ہنگامۂ ستیز | لشکر کے پہلوانوں نے کی جنگ سے گریز

رایت کے دامنوں میں نشاں دار چھپ گئے
گوشوں میں مارے ڈر کے کماندار چھپ گئے

افواجِ اعدا میں ہلچل مچ گئی صفیں درہم برہم ہونے لگیں۔ آثارِ حشر نمودار ہوئے۔

چھپ گئے

سینوں میں سب کے دل دہل گئے جان لبوں پہ آ گئی۔ بڑے بڑے نامی پہلوان رایت کے دامنوں میں کماندار خوفزدہ ہو کر گوشوں میں چھپ گئے۔

ریاضؔ مرحوم فنونِ جنگ سے بخوبی واقف تھے اسی لئے انھوں نے میدانِ جنگ کی کامیاب مرقع کشی ہے۔

شہادت

شہادت کا بیان مرثیے کا اہم جزو تسلیم کیا جاتا ہے۔

سردارِ لشکر نے انعام و اکرام کا لالچ دیا تو بھاگے ہوئے سپاہی واپس آ گئے اور دونوں لڑکوں کو گھیر لیا۔ ان پر تیغ و تبر کے وار کرنے لگے۔ دونوں یتیم زخموں سے چور ہو کر زمین پر گرے اور امام علیہ السلام کو آواز دی۔

آخری بند ۱۰۸

ساتھ آئی اس صدا کے مسلم کی بھی ندا | بھیجا خدا کے واسطے دوڑو غضب ہوا
لاشوں پہ دونوں خادموں کے پہنچی جفا | روندے گئے سموں کے تلے واحسینا

ایذائیں ہیں ہر اک کے تنِ پاک پاک پر
دونوں یتیم پاؤں رگڑتے ہیں خاک پر

آخر کے چند بند غائب ہیں جو غالباً بین پر مشتمل ہوں۔

ریاض مرحوم کے چوتھے مرثیے کی نمایاں خصوصیت رثائیت ہے۔ چہرے میں منظر نگاری کا سوگوار ماحول ہے لیکن اشعار میں دلپذیر رعنائی موجود ہے۔

رزمیہ شاعری میں ریاض مرحوم نے نادر تشبیہات سے کلام میں لطف پیدا کیا ہے۔ صنائع و بدائع کی برجستگی زبان کی دل آویزی طرزِ نگارش کی خوبی قابلِ تعریف و توصیف ہے۔

-٭-

پانچواں مرثیہ

ریاضؔ مرحوم کے پانچویں مرثیے کا مطلع ہے۔
خُلد کو فوجِ حسینی کا نشاں جاتا ہے۔ تعداد بند ۱۲۳ ہے۔
چوتھے مرثیے کی طرح اس مرثیے کا موضوع بھی حضرت مسلم بن عقیل کے
دونوں صاحبزادے ہیں جو کربلا میں شہید ہوئے تھے لیکن اس کا اسلوب جداگانہ
ہے جو ریاضؔ مرحوم کی کہنہ مشقی کی نشاندہی کرتا ہے۔
زبان و بیان کی خوبیاں اس مرثیے کا طرۂ امتیاز ہیں۔
دوسرا بند دیکھئے:۔

اوج پر فوجِ الٰہی کا ہے اقبال و حشم
دُور سے لشکرِ انجم ہے تصدق ہر دم
ہر جواں یوسفِ مصری سے نہیں حسن میں کم
نرگسِ دشتِ زلیخا کی ہے چشمِ پُرنم
میکشِ عشق ولی ابنِ ولی جھومتے ہیں
تاک اعدا پہ ہے قبضوں کو جری چومتے ہیں

شاعر نے حسینی مجاہدین کو فوجِ الٰہی سے اس لئے تعبیر کیا ہے کہ وہ دینِ
اسلام کی بقا کے لئے امامِ زمانہ کی اطاعت کرتے ہوئے جہاد فی سبیل اللہ
میں شریک ہیں اور اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے کے لئے کمر بستہ ہیں۔
لشکرِ انجم آسمان پر ہے اور دن کے وقت بظاہر آنکھوں سے پوشیدہ ہے۔

وہ بھی اس فوج پر نچھاور ہونے کے لئے تیار ہے۔ تیسرے اور چوتھے مصرعے میں صنعتِ مراعاۃ النظیر کے استعمال نے سونے پر سہاگے کا کام کیا ہے پانچواں مصرع غمازی کر رہا ہے کہ حسینیؑ مجاہدین جذبۂ مودّت اور شہادت سے سرشار ہیں ۔ تاک (ف) انگور کی بیل کو کہتے ہیں ۔ گھات، نشست اور انتظار کے معنی میں مستعمل ہے۔ اعدائے دیں کو دیکھ کر وہ جھوم رہے ہیں اور تلواروں کے قبضوں کو چوم رہے ہیں۔

ایسے میں دشمن کی صفوں سے تیر آئے جانثارانِ امام عالی مقام تھرا کے رہ گئے۔ زبان سے تو کچھ نہ کہہ سکے لیکن وہ بیتاب و بے قرار ہو گئے۔

اُس وقت حضرت عباسؑ علیہ السلام سے اذنِ وغا کے طلب گار ہوئے۔ ارشاد ہوا۔

"ہر دو بھائی کر بڑھے جنگ کو اک اک ذی جاہ"

فرمانِ جہاد ملتے ہی ہر ایک نیک نہاد بڑھ بڑھ کے جہاد کرنے لگا۔

مار کر سینکڑوں کو مر گئے غازی رن میں

کر گئے سر سے ادا فرض نمازی رن میں

حضرت حرؑ کا لاشہ دیکھنے کے بعد حضرت مسلمؑ کے دونوں صاحبزادوں (جناب عبداللہ اور محمد بن مسلمؑ) نے امام علیہ السلام سے جنگ کی اجازت طلب کی لیکن انھوں نے اذن دینے سے انکار کر دیا۔

یتیمانِ مسلمؑ اپنی والدہ ماجدہ کے پاس خیمے میں گئے اُن کو یہ خیال ہوا کہ شاید بچے میدانِ کارزار میں جانے سے گھبرا رہے ہیں اس لئے انھوں نے بزرگوں کے کارناموں کی طرف اشارے کئے۔

بند ۲۱

باب خیبر کا اکھاڑا اسداللہ نے جب ۔۔۔ بید کی طرح لرزتے تھے شجاعانِ عرب
ڈھال کی طرح وہ ہمسے کے لیے بصد طیش و غضب ۔۔۔ لبِ خندق پہ کھڑا ہو گیا وہ عاشقِ رب

پار ہونا جو عساکر کو بہت دشوار ہوا
جسرِ یہ دستِ یداللہ سے تیار ہوا

مندرجۂ بالا بند میں شاعر نے ایسی متحرک تصویر پیش کی ہے جو مصوّر کی دسترس سے باہر ہے اپنے جدّ کے کارنامے سُن کر عبداللہ بن مسلم اور محمد بن مسلم اپنی والدہ معظمہ کے قدموں پر گر پڑے اور کہا کیا آپ کا یہ خیال ہے کہ آپ کے غلام جرّار نہیں ہیں ہم تو کئی دن سے مرنے کی قسم کھاتے ہوئے ہیں اسی لئے اس وقت آپ کی خدمت میں سفارش کی غرض سے حاضر ہوئے ہیں ۔

جذبات نگاری

رزمیہ شاعری میں جذبات نگاری کے عمدہ نمونے نظر آتے ہیں ملاحظہ فرمائیے ۔

بند ۳۱

کہہ کے یہ رونے لگے جوشِ شجاعت آیا ۔۔۔ دلِ مادر بھی محبت سے ادھر بھر آیا
ہوئی بیتاب کلیجے سے انھیں لپٹایا ۔۔۔ پونچھ کر اشک بصد لطف و کرم فرمایا

مجھ کو معلوم ہے غازی ہو بہادر ہو تم
صاحبِ جرأت و اقبال و تہوّر ہو تم

حضرت عباسؑ کی سفارش پر دونوں بیتیموں کو امام عالی مقام سے اذنِ وغا مل گیا ۔ دونوں کے رہوار درِ خیمہ پر حاضر تھے ۔ باگ لیتے ہی ایک نے برق کی جودت دکھائی دوسرا آندھی کی طرح صرصر ہو گیا ۔

بند ع۵

دو چکاروں نے طرارے جو بھرے جم جم کے
سبزہ چرخ بلا گرد ہوا تھم تھم کے
بیرق برق کے گردوں پہ پھریرے چمکے
بادِ صرصر کو تردد ہوئے ہر دم دم کے

رہ گئی چال فراموش جو سیاروں کو
صدمے ہر نعل کی کیلوں پہ کیا تاروں کو

مندرجہ بالا بند میں لطفِ زبان حسن بیان توافی کا محل استعمال تخیل کی کارفرمائی اور تشبیہات کی معنی آفرینی قابلِ ستائش ہے۔

تا صفِ جنگ جو پہنچے یہ مثالِ آواز

وہاں پہنچنے کے بعد دونوں جرار جھوم رہے ہیں ایسی حالت میں رجز خوانی کی۔ ان کے اشعار سن کر لشکرِ اعدا کانپ رہا تھا شمر و عمر فوج کو وغا کی ترغیب دے رہے تھے اسی لئے انہیں گھوڑے دیئے جا رہے تھے اور کہیں خلعت وزر کی تقسیم جاری تھی۔

رزمیہ شاعری :۔

ریاض مرحوم کی رزمیہ شاعری میں انیس کی شائستگی اور فردوسی کا ہمہ بھی ہے۔ وہ فنونِ جنگ سے بھی واقف تھے اور اسلحۂ جنگ کے استعمال سے بھی ان کی رزمیہ شاعری میں نیزۂ خطی، تیغ و نبرد سپر۔ گرز گاو سر تیر و ترکش زرہ۔ چار آئینہ جھلم وغیرہ کا تذکرہ ملتا ہے۔

دفعتاً پیاسوں پر تیروں کی بوچھار ہوئی انھوں نے بھی تیغے کھینچ لئے۔

بند ۹۶

آئے تن تن جو صف فوج پہ دونوں اک بار
ہو گئی دم میں خزاں ڈھالوں کے پھولوں کی بہار
نیزہ و تیغ و نبرد کے ہوئے سب بیکار
قطع ہو ہو کے کمانوں کے مٹے نقش و نگار

کٹ کے پرچم جو گرے دشت میں اندھیرا ہوا
ٹکڑے ہو ہو کے نشاں ایک جگہ ڈھیر ہوا

اس ضمن میں بند ۶۹ اور بند نمبر ۷۶ کا مطالعہ بھی ضروری ہے تاکہ معرکہ کارزار کی مرقع کشی کا مفہوم واضح ہو سکے۔

عبداللہ بن مسلمؓ اور محمد بن مسلمؓ دونوں کے نیچے چار سو چلنے لگے ایک ایک وار میں دو دو اسوار قتل ہونے لگے۔ افسرانِ فوج مرغ بسمل کی طرح رن میں تڑپنے لگے اور ہنگامۂ محشر کے آثار نمودار ہوئے

ساقی نامہ

مرثیے میں ساقی نامہ کی داغ بیل انیسؔ مرحوم نے ڈالی تھی میر انیسؔ نے مرثیے کے اس گوشے کو بہت وسعت دی۔ اسی زمانے سے مرثیہ کے اجزائے ترکیبی میں ساقی نامہ کو بھی شامل کر لیا گیا۔ ریاضؔ مرحوم نے بھی ساقی نامہ لکھ کر اپنی طبع کے جوہر دکھائے۔

بند ۸۶

ہاں پلا ساقیٔ ہوش مئے کوثر مجھ کو
موج میں آئیں نظر تیغ کے جوہر مجھ کو
کام تلوار کا سے کلک دو پیکر مجھ کو
جنگ لکھنی ہے دلیروں کی مکرر مجھ کو
خاک میں لشکر ناری کے نشاں گرتے ہیں
دوسری مرتبہ مسلمؓ کے پسر لڑتے ہیں

میدانِ جنگ کی کیفیت

دو نیمچے چلنے لگے طرفہ قیامت آگئی دونوں کے نیچے دھوپ سے رن میں پار ابن گئے اور کفار رن میں دوبارہ قتل ہونے لگے۔

جب برق کی طرح دو نیمچے چمکتے تو فلک پر چشم خورشید جھپک جاتی دگرتے

گرتے فلکِ پیر سنبھل جاتا - اس تلاطم میں دلِ مرتبہ دہل جاتا -

اب تو ایک ایک کو ہیں جان کے لالے رن میں
اُبلے پڑتے ہیں غضب خون کے تھالے رن میں

یوم عاشور قیامت کی گرمی تھی - دونوں دلیروں کے تن لو سے پھنکے جاتے ہیں - خون سے رکابیں تر ہیں - اس لئے قدم پھسلتے ہیں -

پیاس کی شدت بڑھتی گئی - دلیروں کے زور گھٹ گئے - زخموں سے چور ہو کر -

"ناگہاں خاک پہ گھوڑے سے گرے نیک نہاد"

دونوں نے سیّد والا کو پکارا اُن کی فریاد سن کر شاہِ اُمم قتل گاہ کی طرف روانہ ہوئے - دونوں کو تڑپتا دیکھا - بیٹھ گئے - دونوں کو چھاتی سے لگایا زانو پہ دونوں کے سر رکھے حضرت عباسؑ اور حضرت علی اکبرؑ دونوں کے لاشے خیمے میں لائے -

بند ۱۱۷ (بین)

اہلِ حرم میں ماتم برپا ہو گیا - بیوۂ مسلمؑ کے جاں گزا بین سے ماحول مزید سوگوار ہو گیا -

آخری بند

کہہ کے یہ بین گری پیٹ کے سر وہ مضطر | لے گئے لاشۂ پُرخوں کو شۂ تشنہ جگر
بس ریاضِ جگر افگار یہ ہے محشر | شورِ گریہ ہے ہر اک سمت ہر اک چشم ہے تر

مانگ خالق سے دعا دور پریشانی ہو
چین گر دل کو ملے لطفِ ثنا خوانی ہو

اِس مرثیے کا سرسری جائزہ لینے کے بعد ہم اِس نتیجے پر پہنچتے ہیں حق بجانب ہیں کہ یہ مرثیہ اُن کے آخری دور کا ہے جو اُن کی قادر الکلامی کا دور کہا جا سکتا ہے۔

ریاضؔ مرحوم کے ابتدائی مرثیوں میں ساقی نامہ کا وجود نہیں ملتا اور نہ معرکۂ کارزار کی تفصیلات کا بیان اس خوبی اور شدّ و مد کے ساتھ ہے

ریاضؔ کے چند مرثیوں پر مختصر تبصرے کا مقصد اُن کی مرثیہ نگاری کی خوبیوں کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ بھرپور اور سیر حاصل تبصرہ تو اُن کے باقی مرثیوں کی طباعت کے بعد ہی کیا جا سکتا ہے۔

maablib.org

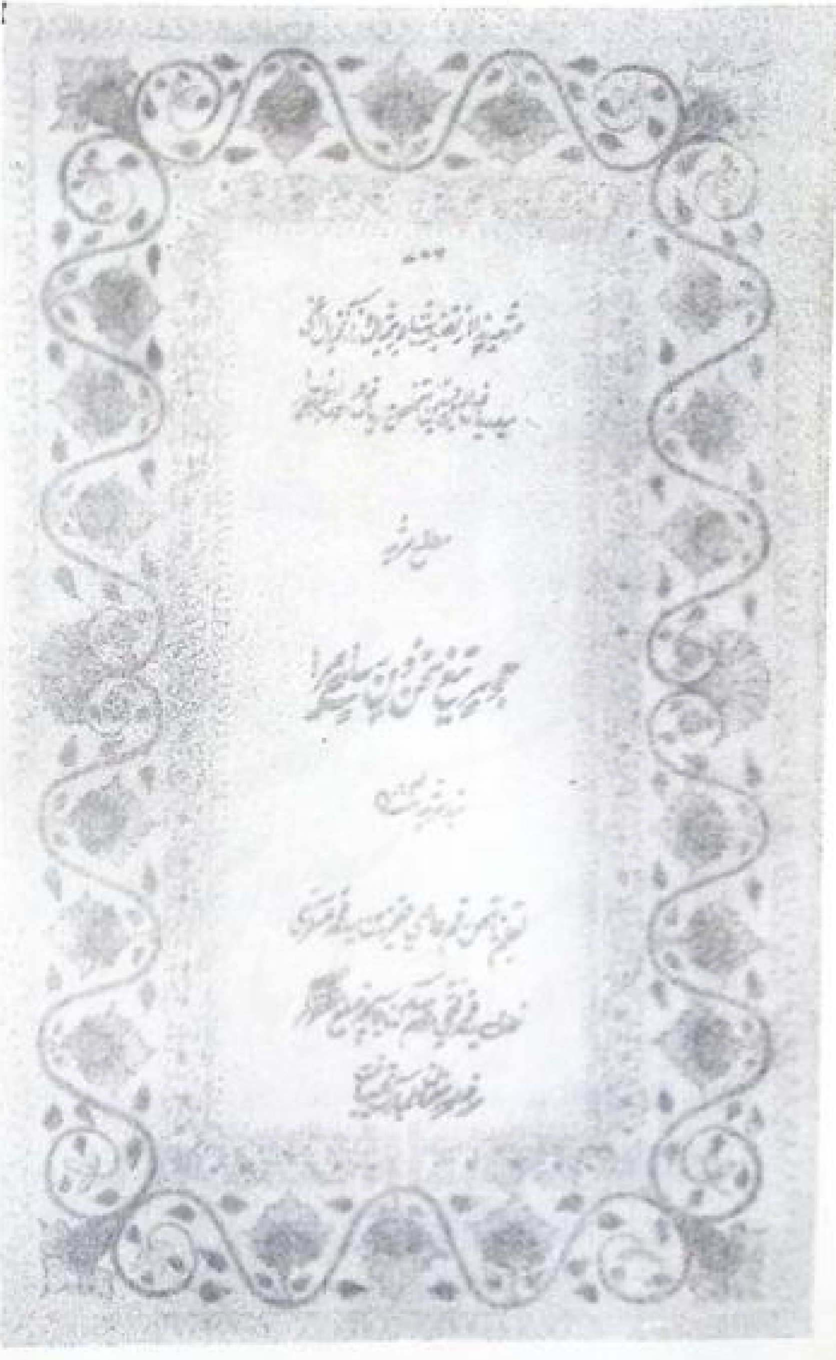

مرثیہ نمبر ۱

جوہرِ تیغِ سخن ذہنِ رسا ہے میرا

جوہرِ تیغِ سخن ذہن رسا ہے میرا   حامی و رتبہ داں سیفِ خدا ہے میرا
داغ سے پاک یہ نظمِ ثنا ہے میرا   وہ رقم ہے کہ عطارد بھی گدا ہے میرا
خلد ہے جس کا صلہ یہ وہ ثنا خوانی ہے
نظمِ اوّل ہے فصاحت میں پہ لاثانی ہے

مدحِ عباسؑ سے ہے اوج پہ طبعِ لمّاح   قفلِ صندوقِ مضامیں کی زباں ہے مفتاح
حسنِ بندش سے مجھے کام رہا شام و صباح   کھولتا ہوں میں زباں بزم میں اب یا فتاح
نہ تو شاعر ہوں نہ کچھ نظم سے واقف ہوں میں
بازوئے سبطِ پیمبرؐ کا معارف ہوں میں

اُن سے کہتا ہوں عقیدہ کہ جو ہیں نظم کے شاہ   دھوم کونین میں ہے جن کے سخن کی واللہ
نکتہ داں فیض رساں شاعرِ باعزت و جاہ   نظم پر جن کی فصاحت بھی بلاغت بھی گواہ
تاج سر جن کو فصیحانِ جہاں مانتے ہیں
خاص بھی عام بھی عالم میں انہیں جانتے ہیں

ہے بجا ملکِ سخن کا جو کہوں ان کو رئیس — ہیں فصاحت سے بھرے جنکے مضامین سلیس
نام بھی شہرۂ آفاق تخلص بھی انیس — آپ بھی صاحبِ اخلاق ہیں بیٹا بھی نفیس
نظم اک لطف اسی گھر سے بسند باقی ہے
شاعری ان کی تو پشتوں سے چلی آتی ہے

بھائی وہ جن سے ہوا نام فصاحت روشن — اُنس ہے جن سے بلاغت کو بھی ہنگامِ سخن
مونسِ شاہ طلاقت ہیں بصد وجہِ حسن — صاحبِ خُلق رئیس الشعرا مستحسن
دل سے مداحِ علی ابنِ ولی ہیں یہ سب
رونقِ بزمِ حسینؑ ابنِ علیؑ ہیں یہ سب

میری ناکام زباں خواہشِ اکمل احباب — مدحتِ مہر ہو ذرے سے بھلا کب یہ تاب
مہر و مہر کہ جس کا نہیں عالم میں جواب — حالِ عاشور سناتا ہوں سنیں سب احباب
نظم سے عقدِ ثریا کو فرح حاصل ہو
مطلعِ نو ہے وہ سننے سے روشن دل ہو

شور ہے شیر کی آمد کا لبِ جو رن میں — اک تلاطم ہے بپا خوف سے ہر سو رن میں
شیرِ دل ہوتے ہیں اب صیدِ آہو رن میں — تنِ ضیغم کی ہوا لائی ہے خوشبو رن میں
چرخ چکر میں ہے خورشید بیں لرزاں ہے
تہلکہ دشت میں ہے گاو زمیں لرزاں ہے

ہے جدا اوٹ کے سبب دستِ عطارد سے قلم — سارے سیاروں پہ ثابت ہے قیامت کا الم
سلسلہ عقدِ ثریا کا ہوا ہے برہم — اسدِ چرخ لرزتا ہے فلک پر پیہم
قوس گوشے میں ہے مریخ کی وہ آب نہیں
تیر تر تیر ہے ہر طرح سے پرتاب نہیں

جی چھُپاتا ہے فلک خوف سے اُونچا ہو کر   پھول پروین کے گرے پڑتے ہیں کانٹا ہو کر
زہرہ زہرہ کا بہا جاتا ہے دریا ہو کر   رنگِ مہتاب اُڑا ہے، پرِ عنقا ہو کر
شورِ آمد خرد و ہوشِ ملک کھوتا ہے
قطب جنبش میں ہے اب دیکھیے کیا ہوتا ہے

گلشنِ عالمِ ایجاد پہ آئی ہے خزاں   دم بخود لہریں ہیں نہروں میں چمن ہے اک خوفِ عیاں
دلِ لالہ ہے لہو، نرگسِ شہلا حیراں   زعفراں زرد ہے نیلا ہے گلِ نافرماں
پھول مُرجھائے ہیں جانوں کے زیاں لاتے ہیں
خوف سے ڈالیاں ہر نخل کی سر ڈالے ہیں

خشک دہشت سے ہوئے ہیں لبِ دریا یکسر   موجیں ٹکراتی ہیں ساحل سے سر اپنا آکر
گرچہ گرداب برابر ہیں بہ شکلِ سپر   دل نہنگوں کے غضب کانپتے ہیں ڈر سے مگر
عیش و آرام کے دن مچھلیوں کو بھولے ہیں
ہے یہ ہیبت کہ حبابوں کے بھی دم پھولے ہیں

غار سے ڈر کے نکلتے ہیں اژدر باہر   سب ہیں افعی صفتِ مارگزیدہ مضطر
قاف میں بیٹھا ہے سیمرغ سمیٹے ہوئے پر   گو کہ عنقا ہے نہاں، کانپتا ہے خوف سے پر
شور ہے مرگ کا اب سب کی محل آ پہنچا
باز چلاتے ہیں شہباز اجل آ پہنچی

شیر گھبرائے ہوئے پھرتے ہیں ہر سو بن میں   تپِ لرزہ ہے چڑھی خشک لہو ہے تن میں
سیفِ خالق کا عجب رعب عیاں ہے رن میں   منہ چھپائے ہوئے سب ہیں پرِ آہن میں
بند اب دم ہے ہر اک خنجرِ فولادی کا
سر بہ خم یہ گماں ہوتا ہے فریادی کا

شور ہے بازوئے فرزند نبیؐ آتا ہے — امتحاں ہوں گے دلیروں کے جری آتا ہے
زخم شمشیر بتیں گے کہ سخی آتا ہے — ہر یک کہتے ہیں نہیں دیر ابھی آتا ہے
کھینچ لو میان سے تیغوں کو خبردار رہو
شیر آتا ہے ذرا گھاٹ سے ہشیار رہو

مورچے بندھتے ہیں لشکر میں صف آرائی ہے — دشت میں ڈھالوں سے گھنگھور گھٹا چھائی ہے
تن اعدا میں نہ طاقت نہ توانائی ہے — خندقیں کھودی ہیں لڑنے کی قسم کھائی ہے
رنگ رخ زرد ہے کافور ہراک ناری کا
مشورہ ہوتا ہے ضیغم کی گرفتاری کا

نخل تھراتے ہیں سنسان ہے سارا جنگل — اتری گھاٹ پہ خشکی میں بپا ہے ہلچل
جابجا شام کے لشکر کے پھٹے ہیں بادل — جسم میں جان نہیں آنکھوں میں پھرتی ہے اجل
اشک افسوس ہراساں کا منہ دھوتے ہیں
پلکے تو شیر کی گھوڑے بھی الف ہوتے ہیں

واں تو سب پیر و جواں خوف سے تھراتے ہیں — گھر میں زوجہ سے علمدار یہ فرماتے ہیں
مضطرب آپ کو اس وقت بہت پاتے ہیں — اپنے آقا پہ فدا ہونے کو ہم جاتے ہیں
دل کو ٹھہرائیے رخصت ہمیں دیجئے صاحب
پیار کر لیں ہمیں فرزند کو دیجئے صاحب

پھر ملاقات ہو امید نہیں ہے ہم کو — رونا موقوف کرو کہنا ہو جو کچھ وہ کہو
دم مبادم بھر کے دم سرد ہمیں رنج نہ دو — صبر کرتی ہیں وہی بیبیاں ہیں صابر جو
کس کے جیتے ہیں سدا وارث و والی صاحب
سینکڑوں گھر ہیں پڑے خلق میں خالی صاحب

ایک مدت رہے اس دہر میں ہم تم باہم — نشترِ دل ہے مگر فاطمہ کبریٰ کا الم
شب کو شادی ہوئی کس شان سے اے نیک شیم — صبح ہوتے ہی بنی رانڈ بنی وائے ستم
بات تک ہونے نہ پائی تھی دلہن دولہا میں
بیاہ ہوتے ہی جدائی تھی دلہن دولہا میں

صبر اس گھر کا چلن ہے یہ رہے آپ کو یاد — صبح سے فاطمہ کبریٰ کی سنی ہے فریاد
تم کو کس بات کا غم دی ہے خدا نے اولاد — دل بہل جائے گا ہر طرح سے اے نیک نہاد
مانگتے حق سے دعا خلق میں یہ ماہ رہے
نیک طینت ہو غلامِ پسرِ شاہ رہے

سن کے یہ بات ہوئی زوجۂ غازی مضطر — دے دیا حضرتِ عباسؑ کو گودی سے پسر
چوڑیاں توڑ کے نتھ پھینک کے اور کھول کے سر — گر پڑی پاؤں پہ اور عرض یہ کی رو رو کر
خوب یہ رسمِ وفا ہے مجھے رلواتے ہو
کون سے آسرے پر چھوڑ چلے جاتے ہو

یہ نہ امید تھی یوں لا کے مجھے دو گے جواب — کیا خطا مجھ سے ہوئی بہرِ خدا کیجئے شتاب
صبر کس طرح کروں سینے میں دل ہے بیتاب — سر سے وارث جو گئے زیست ہے عورت کی خراب
جاؤ صدموں سے مگر مجھ کو بچاتے جاؤ
میری گردن پہ چھری پہلے چلاتے جاؤ

بیاہ کر لائے تھے کیا رانڈ بنانے کے لئے — چھوڑے جاتے ہو مجھے ٹھوکریں کھانے کے لئے
منع کرتی نہیں میں حلق کٹانے کے لئے — کوئی بتلاؤ جگہ میرے ٹھکانے کے لئے
کوہِ اندوہ کو کس طرح سے میں ٹالوں گی
کس طرح ایسے صغیروں کو بھلا پالوں گی

آس پھر کس کی ہو جب ہوئے نہ وارث سر پر — یاں ہر اک اپنی مصیبت میں پھنسا ہے آکر
آپ کو روؤں گی یا بچوں کی لوں گی میں خبر — موت آجائے تو خوشنود ہوں میں خستہ جگر
آپ کے حفظ میں بچوں کو ابھی دیکھے مروں
آپ کی، آپ کے بھائی کی بلائیں لے کے مروں

سن کے یہ بات علمدارؑ کا کانپا جو جگر — جھک کے قدموں سے اٹھایا اسے با دیدۂ تر
دل سے کہنے لگے سمجھائیے اس کو کیونکر — ناگہاں آئی عقب سے یہ ندائے حیدرؑ
صبر کر میری بہو ہو کے نہ گھبرا بی بی
میں مدد کے لئے موجود ہوں اچھا بی بی

یہ صدا سنتے ہی خاموش ہوئی وہ مضطر — لے لیا حضرت عباسؑ کی گودی سے پسر٭
آئی روتی ہوئی ناگاہ سکینہؑ بھی ادھر — عرض کی اپنی بھتیجی کی بھی لے آج خبر
دم لبوں پر ہے یہ شدت ہے عطش کی عمو
ضعف کے مارے ہے نوبت مجھے غش کی عمو

چوم کر منھ کہا عباسؑ نے بی بی آؤ — کوئی مشکیزہ ہو خیمے میں تو جلدی لاؤ
پانی لاتے ہیں تمہارے لئے کیوں غم کھاؤ — مانگو خالق سے دعا خیر کی مت گھبراؤ
دم میں دم باقی ہے تو پانی پلائیں گے تمہیں
ورنہ تا حشر یہ صورت نہ دکھائیں گے تمہیں

سن کے یہ بات گئی دوڑ کے وہ خستہ جگر — مشک دی لاکے چچا جان کو بولی رو کر
پانی لینے کو تو جاتے ہو بتاؤ یہ مگر — پھر کے کب آؤ گے اے نور نگاہ حیدرؑ
کہیں کنبے سے نہ محجوب مجھے کیجئے گا!
داغ فرقت کا نہ بابا کو مرے دیجئے گا

٭ نسخہ علی امیر میں یہ مصرع اس طرح درج ہے
مصرع ۔ لے لیا گود میں فرزند کو پھر کر

بولے عباسؑ جو اللہ کو ہوگا منظور　　وہی مختار ہے ہر حال میں بندہ مجبور
پاس ہے نہر، نہیں ایسی زیادہ کوئی دور　　جلد بھر لانے کی کوشش تو کروں گا میں ضرور

پر نہیں موت پہ اے ماہ لقا بس اپنا
موت حائل ہوئی رستے میں تو کیا بس اپنا

کہہ کے یہ خیمے سے باہر گیا وہ نیک اساس　　آیا نیہوڑائے ہوئے سر کو شہنشاہ کے پاس
عرض کی حکم سکینہؑ سے شہِ رتبہ شناس　　نہر پر جاتا ہے پانی کے لئے اب عباسؑ

مشک دی ہے کہ یہ فرمان ہے آزادی کا
کس طرح حکم بجا لاؤں نہ شہزادی کا

آپ بھی دیجئے رخصت مجھے از بہر خدا　　مضطرب ہوں دلِ ناشاد کو ہے شوقِ وغا
فوج سب کٹ گئی جو بخت میں لکھا تھا ہوا　　کہئے کیا دیر ہے ملتی نہیں کیوں اذنِ رضا

وقت آپہنچا قریں فاطمہؑ کے رونے کا
اذن ملتا نہیں کیوں مجھ کو فدا ہونے کا

کہہ کے یہ جھک گیا قدموں پہ وہ جعفرِ ؑطیار　　بولے حضرت کہ یہ کیا میرے برادر و غمخوار
اٹھو چھاتی سے لپٹ جاؤ کریں آؤ پیار　　ہے اگر عزمِ وغا ہو جئے گھوڑے پہ سوار

ہم ہر اک بات پہ راضی بہ رضا ہیں بھائی
آپ بے وجہ برادر سے خفا ہیں بھائی

گردِ شبیرؑ پھرا اٹھ کے علمدار جری　　دوشِ پُرنور پہ پھر مشک سکینہؑ کی دھری
زینتِ زین ہوا وہ شیرِ لصد جلوہ گری　　اڑ کے جنگ گاہ کو رہوار چلا مثلِ پری

اس کی تیزی سے چھلاوے کا بھی دم بھول گیا
ہر غزال اپنے طرارے کا چلن بھول گیا

سب عباسؑ سے حیراں تھے ملک گردوں پر — پر نکلے اڑتا تھا شہباز سے بھی تیزی پر
علمِ سبز کا پڑتا تھا جو سایہ سر پر — تازیانہ تھا اُسے اڑتا تھا ہر جا جم کر
دشتِ جنگ گاہ کو کوتاہ جو وہ پاتا تھا
اڑ کے گردوں کی طرف صاف چلا جاتا تھا

ماہِ گردوں کا بھلا کون سا آئینہ ہے کمال — رشک سے اس کے جھکا جاتا ہے ہر وقت ہلال
پیرِ گردوں کا اگر اس رخش کو آجائے خیال — سبزۂ چرخ کو اک آن میں کر دے پامال
اپنی سرعت کو یہ دکھلائے اگر عالم میں
قاف سے قاف تلک جا کے پھر آئے دم میں

برقِ حیراں ہوا گر اس کے طرارے دیکھے — حور نے بال اُس کی ہر اک آن سنوارے دیکھے
گھوڑے اس طرح کے عالم میں بارے دیکھے — ہل گئی دھوپ میں ہیکل تو ستارے دیکھے
اس طرح تیزیِ پرندوں کی بھی پرواز نہیں
یہ سبک خیز ہے کچھ ساز میں آواز نہیں

اڑ کے میداں کی طرف رخش یہ جب جاتا ہے — پنجۂ رایتِ پُرنور چمک جاتا ہے
واہ کیا حسن ہے جو برق کو شرماتا ہے — شکلِ خورشیدِ قیامت کی یہ دکھلاتا ہے
ضو سے اس پنجے کی بے تاب ہوا ہے خورشید
آگے اس مہر کے مہتاب ہوا ہے خورشید

علمِ سبز پہ کیا نور ہے اللہ اللہ — جس کے پرتو سے خیاباں کا ہے نمونہ جنگاہ
اس سے حاصل ہے ہر اک حور کو خنکیِ نگاہ — اس سے تشبیہ کوئی دے یہ ہے طوبیٰ کو بھی چاہ
نخلِ امید علمدار یہی ہے بیشک
علمِ احمدِ مختار یہی ہے بیشک

فرقِ عباسؑ پہ اُترتا ہے پھریرا آن — شور ہے مہر پہ قربان ہے لو کاہکشاں
ہے ضیائے رخِ پُرنور جو تا دوش عیاں — چرخ پہ مہرِ منور ہے بحسرت نگراں

بہرِ نظارہ ہر اک سمت مَلک پھرتے ہیں
نہ ملی گردِ زمیں گردِ فلک پھرتے ہیں

سرِ اقدس پہ بلا فرق ہے قرباں خورشید — تاج اس فرق کا ہے رحمتِ خلاقِ مجید
شور گردوں پہ ہے کیسا ہے یہ ہر ماہ سعید — سر کٹانے کی رہِ حق میں جسے ہے اک عید

پسرِ حیدرِ کرار ہے، جرار ہے یہ
فوجِ سردارِ دو عالم کا علمدار ہے یہ

ماہ قربانِ جبیں، مہ کو عشقِ رخسار — چشمِ حق بیں سے عیاں قدرتِ ذاتِ غفار
خمِ ابرو پہ فدا جوہرِ تیغِ خونبار — تیرِ مژگاں سے ہر اک دیدۂ بدبیں ہے فگار

حفظِ خالق میں یہ ضیغم رہے چشمِ بد سے
اس کو اک عشق ہے نورِ نظرِ احمدؐ سے

مثلِ خورشید ضیا بار ہے روئے تاباں — بینیِ پاک ہے یا حسن کے لشکر کا نشاں
لبِ جاں بخش سے عیسیٰ ہیں فلک پر حیراں — دُرِ دنداں سے خجل عقدِ ثریا ہر آں

دہنِ تنگ فقط بات ہے مفہوم نہیں
یہ وہ غنچہ ہے صبا کو بھی جو معلوم نہیں

وصفِ کاکل میں بڑا پیچ پڑا ہے اس دم — مو شگافی کے تردد میں سرِ فکر ہے خم
عقدۂ مشکل ہے مری ذہنِ رسا کی ہے قسم — رات تاریک ہے ہر بار اُلجھتا ہے قلم

کس طرح عقدہ کشا ذہنِ رسا ہوئے گا
قطعِ اُمید ہے عقدہ نہ یہ وا ہوئے گا

قدِ پُرنور ہے شمشادِ گلستانِ وفا — سروِ گلزار ہے اک بندۂ آزادیں کا
عشقِ شمشاد جو قمری کو کیا حق نے عطا — ہے یہی وجہ کہ اس قد سے مشابہ ہے فدا
یاد اس قد کی فراموش نہیں ہوتی ہے
شورِ کوکو سے عیاں ہے کہ سدا روتی ہے

مشک اک دوش پہ ہے ایک چھریرے کا علم — پشت پر ڈھال ہے اور ڈاب میں شمشیرِ دو دم
باگ کا کرتے ہیں غازی کو اشارہ جس دم — صورتِ برقِ نگہ اڑتا ہے گھوڑا پیہم
کوئی ہمسر نہیں غازی کا جو سرداری میں
ساتھ اقبال بھی ہے غاشیہ برداری میں

غُل ہے جس شیر کا شہرہ تھا وہ اب آپہنچا — بازوئے شاہِ ہدا، عاشقِ رب آپہنچا
وہ چمکتا علمِ شاہِ عرب آپہنچا — فوج پر صاعقِ اکبر کا غضب آپہنچا
ہوں گے انبارِ سرِ دشمن کے کوئی دیر نہیں
شیرِ حق کا ہے پسر اور کوئی شیر نہیں

دمبدم فوج میں ہر سمت تلاطم ہے فزوں — افسرانِ سپہِ شام کی حالت ہے زبوں
تہلکہ دشت میں ہے خشک ہے اک اک کا لہو — کند تیغیں ہیں علم فوج کے پھریرے ہیں نگوں
دہشتِ شیر سے گھوڑوں کے جگر کانپتے ہیں
افسرِ فوجِ عدو خوف سے منہ ڈھانپتے ہیں

شیر بھاگے ہیں ترائی سے ہراساں ہوکر — چوکڑی بھولے ہرن پھرتے ہیں حیراں ہوکر
بن کے چیتے بھی گریزاں ہیں پریشاں ہوکر — گینڈے ڈھالوں کو نہاں کرتے ہیں پنہاں ہوکر
ڈر سے سوراخ جگر میں ہیں زرہ پوشوں کے
ہوگئے کان کھڑے بن میں سیہ گوشوں کے

پیک گھبرائے ہوئے لائے ہیں جاجا کے خبر
کہتے ہیں آتا ہے گھوڑے کو اڑائے صفدر
فق ہے رنگِ عمرِ سعد یہ باتیں سُن کر
شمر سے کہتا ہے تدبیر کوئی کر بہتر

فوج گھبرائی ہے ہر ایک نے جی ہارا ہے
بے اجل شیر کی آمد نے انہیں مارا ہے

شمر کہتا ہے تعجب نہیں گر ہے یہ ہراس
کم نہیں جنگ سے حیدرؑ کی وغائے عباسؑ
سچ کہوں فتح سے مجھ کو بھی ہوئی ہے اب یاس
کس کو سمجھاؤں بھلا جاؤں میں کس کس کے پاس

ایک دو ہوئے جو پُرخوف تو میں سمجھا دوں
دل میں سب فوج کے کس طرح بھلا دل ڈالوں

جائے انصاف ہے یہ لوگ لڑیں گے کیونکر
شیر سے بڑھ کے مقابل ہو نہیں کارِ بشر
شیر وہ شیر کہ جو شیرِ الٰہی کا پسر
کیا نہیں جانتا تو زورِ جنابِ حیدرؑ

غزوۂ خندق و صفین کی کیا دھوم نہیں
لشکرِ جن سے لڑے چاہ میں معلوم نہیں

جنگِ حیدرؑ سے لرزتے ہیں ابھی تک جنات
گر مسلمان نہ ہوتے تو نہ پاتے وہ نجات
سچ ہے بچائے دو عالم تھے علیؑ خوش صفات
بابِ خیبر کو اکھاڑا تھا یہ ہے کل کی بات

سایۂ فضلِ خدا فرقِ شہنشاہ پہ تھا
پھول کی طرح وہ در دستِ یداللہ پہ تھا

سُن کے یہ بات ہوا صرفِ سخن بد اختر
رشتہ دار اپنا کہا کرتا تھا تو تو اکثر
طمع دے لعل و گہر کی انھیں سمجھا بڑھ کر
پیشوائی کے لئے ساتھ لئے جا لشکر

بازوئے شاہ کو یاں جاہ و حشم سے لے آ
تو تو مکار ہے عباسؑ کو دم سے لے آ

لے ایک نسخہ میں یہ مصرع اس طرح لکھا ہے
بے اجل آمدِ عباسؑ نے اب مارا ہے

گر علمدارؑ یہاں آئیں تو افسر کردوں — اس قدر نقد دوں ایک دم میں تونگر کردوں
واں علمدار ہیں یاں صاحبِ لشکر کردوں — دامن و جیب کو پُر زر سے سراسر کردوں
تجھ پہ پوشیدہ نہیں حال یہ سب حالی ہے
فوج میں حُر دلاور کی جگہ خالی ہے

مُسکرایا یہ سخن سُنتے ہی شمرِ غدار — عرض کی خیر ہے آ ہوش میں بس اے سردار
آئیں عباسؑ ادھر یہ تو نہ ہوگا زنہار — ترک ہو رسمِ وفا یہ نہیں ایسے جرّار
جان و ایمان شہِ والا کو سدا جانتے ہیں
یہ ہیں اعجاز تمہارا مکر کو کب مانتے ہیں

ذکر یہ تھا کہ ہوا شیر کا میداں میں ورود — زرد دہشت سے زمیں ہو گئی اور چرخ کبود
ملکِ عرش پہ لب پڑھنے لگے اٹھ کے درود — مٹ گئی لشکرِ کفار کی جو کچھ تھی نمود
خود گر گر پڑے سب پیر و جواں کانپ گئے
رُعبِ عباسؑ سے لشکر کے نشاں کانپ گئے

روک کر باگ کو گھوڑے کی یہ گونجا وہ شیر — نکلے اب جنگ کو سب جو زیادہ ہو دلیر
ہے یہ ہنگامِ وغا ننگ ہے اس وقت میں دیر — ابھی کاٹھی میں تڑپتی ہے نہایت شمشیر
منہ چھپاتے ہو جھلم ڈال کے کیا ہمت ہے
جوہرِ سیفِ خدا دیکھ لو گر جرأت ہے

میں ہوں جرّار اولوالعزم تمہیں ہے معلوم — کفر کو کرتا ہوں اک آن میں دیکھو معدوم
فتنہ و شر کی بھی مٹ جائے گی یہ ساری دھوم — جس کی خواہش ہے نہیں جاؤ گے اس سے محروم
جان دے دیجئے ہر اک نار میں گھبرائے گا
جان لو ایک بھی دنیا رنہ ہاتھ آئے گا

میں ہوں ساونت میں ہوں جرأت و ہمت کا دھنی — طالبِ مرگ ہوں اور دولتِ دنیا سے غنی
ہے مرے ہاتھ میں بھی قوتِ خیبر شکنی — ارث میں مجھ کو ملا ہے ہنرِ تیغ زنی
اوج یہ کس کو بھلا خلق میں ہاتھ آیا ہے
خادمِ ابنِ علیؑ ہوں یہ شرف پایا ہے

ہم کو پیدا کیا اللہ نے عالم میں جری — اپنی ہیبت سے سدا کانپتے ہیں جن و پری
میان سے کھینچ کے جب دوش پہ تلوار دھری — مارے دہشت کے ابھی ہو گئے عدم کے سفری
برقِ شمشیر سے ہرگز نہ اماں پاؤ گے
غول کے غول جہنم میں چلے جاؤ گے

خوب روشن ہے تمہیں بدر و احد کا سب حال — فوج کو شیرِ الٰہی نے کیا تھا پامال
ضربِ حیدرؑ سے لرزتے تھے در و بام و جبال — زندگی لشکرِ کفار کو ایک دم بھی وبال
حوریں جنت سے ملک چرخ سے سب تکتے تھے
جن تو حیران تھے پریوں کو عجب سکتے تھے

شیرِ حق کون ہوا غیرِ علیؑ دنیا میں — کس کو خالق نے کیا اپنا ولی دنیا میں
کفر کی کس پہ سدا تیغ چلی دنیا میں — کس کے رتبے ہوئے قرآں سے جلی دنیا میں
شان میں کس کی بھلا نادِ علیؑ آئی ہے
کون دنیا میں پیمبرؐ کا کہو بھائی ہے

ہیں علیؑ قبلۂ کونین امامِ اعلیٰ — گوہرِ درجِ سخا، لعلِ بدخشانِ عطا
ساقیِ کوثر و تسنیم شہِ ہر دو سرا — شیرِ حق، نورِ خدا، شافعِ محشر بخدا
بخشا جائے گا جو خدمت میں ولی کی ہوگا
فیصلہ حشر کو الفت پہ علیؑ کی ہوگا

جس کے اَوصاف پہ سب میں نہ کسے تابِ اظہار — اُس کا فرزند ہوں میں اے سپہِ ناہنجار
میں بھی ہوں فضلِ الٰہی سے بہادر جرّار — میری شمشیر کے خونخوارِ جہاں سب ہیں فگار
شیر ہوں لختِ دلِ شیرِ الٰہی ہوں میں
صاحبِ تیغ ہوں غازی ہوں سپاہی ہوں میں

باز اب آؤ کہ لازم نہیں سینے سے دغا — دیکھو پچھتاؤ گے اک آن میں سب ہوگے فنا
پانی بھر لینے دو دریا سے مجھے تھوڑا سا — بچے سب پیاس کے مرتے ہیں ترحم کی ہے جا
سارا دریا تو نہیں دوش پہ دھر لاؤں گا
ایک یہ چھوٹا سا مشکیزہ ہی بھر لاؤں گا

سن کے اعدا نے کہا یہ تو نہ ہوگا زنہار — بے لڑے آپ ملے یہ تو بہت ہے دشوار
ہم نے مانا کہ بڑے آپ بہادر جرّار — آپ تنہا ہیں مگر یاں تو ہیں لاکھوں اسوار
نہر پر آپ کی کس طرح رسائی ہوگی
جان لیجئے کہ سر و تن میں جدائی ہوگی

غیظ یہ سنتے ہی جرّار کو آیا اک بار — کھینچ لی تیغ شرربار اڑایا رہوار
ہوگیا حشر بپا خوف سے جھجکے کفار — غل ہوا برق چمکتی ہے وہ یا ہے تلوار
عکس سے جاں ہر اک جا پہ زمیں گرتی ہے
کیا چمک ہے کہ نظر کام نہیں کرتی ہے

ناگہاں تیغ چلی اڑنے لگے سر ہر سُو — گر کے بہنے لگا دریا کی طرح رن میں لہو
دھڑ سے گرنے لگے مر مر کے ہر اک سمت عدو — فرق بہنے لگے جس طرح حبابِ لبِ جو
ملک الموت نے گردن لی ہر اک ناری کی
قعرِ دوزخ کی سیہ کاروں نے تیاری کی

بادِ صرصر کی طرح تیغ چلی جب سن سن
ہوگیا صرفِ خزاں عمرِ عدو کا گلشن
خون پی پی کے ہوا اور ہی اُس کا جوبن
ڈس کے لہراتی ہے جس طرح سے کالی ناگن

جان بچنے کی نہیں سب کو گماں ہوتا تھا
سُم جھٹک آیا ہے، جو ہر سے عیاں ہوتا تھا

تیغِ عباسؑ سے میداں میں کھلے کیا کیا گل
پھول ڈھالوں کے اُڑے، برچھیوں کے پھل نکل
نالۂ زاغِ کماں تھا نہ فغانِ بلبل
ہو گئے دم میں چراغِ خردِ لشکر گل

ڈھالیں پتّوں کی طرح زمیں اُڑی پھرتی تھیں
برچھیاں شاخِ بریدہ کی طرح گرتی تھیں

خودِ فولاد پہ جس وقت چمک کر وہ گری
کیا اکراری تھی کہ مطلق نہ رُکی اور نہ ڈری
دو کیا فرق کو، گردن پہ گئی، دل میں پھری
ترپی مچھلی کی طرح دامِ زرہ میں جو گری

قلب کو دیکھ کے تیرہ وہ جھجک کر نکلی
کاٹ کر بندِ کمر صاف چمک کر نکلی

چین پڑتا تھا نہ بے خون پیے ایک نفس
جب چمک کر وہ گری ذبح ہوئے بیس میں
لوٹتے تھے کہیں پیدل، کہیں اسوار فرس
کیا چکھائی تھی فوج کو دنیا کی ہوس

کر دیا خاک زر و لعل کے گنجینے کو
زخم کھانے کو ملے، خونِ جگر پینے کو

قطعِ ہو رشتۂ جاں کاٹ اسے کہتے ہیں
زندہ اُترے نہ کوئی گھاٹ اسے کہتے ہیں
نوشِ جاں دل کو کرے چاٹ اسے کہتے ہیں
جا بجا باڑھ ہو، ہاں پاٹ اسے کہتے ہیں

غرق ہو کشتیٔ تن تیز روانی یہ ہے
سم ہو دشمن کے لئے تیغ کا پانی یہ ہے

جنگ سے جان چراتے تھے ہر اک جانباز — طائرِ جاں کے لئے تیغ بنی تھی شہباز
خون پی پی کے ہوئی اور زباں اس کی دراز — کہتی تھی تیغ جری میں ہوں اجل کی دمساز

دشمنِ دیں نہ یہاں ایک بھی میں چھوڑوں گی
برچھیاں کاٹ کے شمشیروں کے منہ موڑوں گی

جال تھا تیغ کا جوہر پئے جانِ اعدا — نابید دکھلاتی تھیں اک دم میں عدم کا رستا
آب وہ آب کہ کٹ جائے جسے دریائے فنا — قبضہ ایسا کہ سدا جان پہ جس کا قبضا

خم وہ تھا ماہ کو بھی شرم و حیا ہے جس کی
پیشہ سفاک وہ تھا خون غذا ہے جس کی

کس قدر حسن تھے شمشیرِ دل آرا میں بہم — بانکپن، ناز و ادا، جوہرِ ذاتی، دم خم
نازک اندام، جلادار، مگر برق کا دم — صاعقہ کیش، جفا کار، ولے نیک شیم

برق کی طرح ہر اک غول پہ وہ گرتی تھی
اپنے مالک کے مگر گرد سدا پھرتی تھی

جرعہ باری سے ہویدا ہے دراصل جمیل — منکرِ ہونے پہ خم رشکِ مہِ نو تھا دلیل
سامنے اپنے وہ لاکھوں کو سمجھتی تھی قلیل — اس کی جھنکار تھی دشمن کیلئے کوسِ رحیل

جب چمکتی تھی دلِ مہر دھڑک جاتا تھا
ضو سے اس کی دلِ مریخ بھڑک جاتا تھا

دشمنِ جاں تھی لہو پیتی تھی ہر دم آکر — استخواں کھاتی تھی دشمن کے بدن کے گر کر
ڈوب جاتی تھی رگوں میں وہ مثالِ نشتر — قہر اشارہ تھا، لگاوٹ تھی بلا، زہر نظر؛

کس خوشی سے وہ لعینوں کے گلے ملتی تھی
خون بہہ جاتے تھے جب صاف تو پھر کھلتی تھی

چرخ کی سمت چلی جاتی تھی گاہے سن سن — واں سے گرتی تھی ہر اک فرد کے سر پر زن زن
فرق سے کھینچتی تھی اعدا کے سروں کو تن تن — بَن کی جانب کو لپکتی تھی وہ شعلہ بن بن
شعلہ باری سے وہ جنگل کو جلا کر نکلی
آئی جب فوج میں ہر اک کو مٹا کر نکلی

لال تھا دشتِ ستم صورتِ میدانِ منا — تھا فراموش سیہ کاروں کو ہر ساز و غنا
دست و پا میں تھا لہو سے کہ تھا رنگِ حنا — پڑ گئی تیغ سے بدذاتوں میں محشر کی بنا
کسی دم باز کا میداں میں نہ دم باقی تھا
نہ تو فتنہ تھا، نہ شر تھا، نہ ستم باقی تھا

دشت تھرّاتے تھے ہر سمت جبل ہلتے تھے — کیا تلاطم تھا کہ سب فوج کے دل ہلتے تھے
چرخ پر شمس و قمر کے بھی کنول ہلتے تھے — قصرِ قیصر کا، فریدوں کے محل ہلتے تھے
روحیں چلّاتی تھیں اب حشر ہوا جاتا ہے
تھا یقیں صورِ سرافیل پھُنکا جاتا ہے

کانپ جاتے تھے ہر اک آن زمیں کے جو طبق — دل نقاروں پہ عجب ہوتا تھا صدمے سے قلق
کیا دھمک تھی کہ ہوئی گاؤ زمیں غرقِ عرق — رستم و گیو کے ہوتے تھے جگر قبر میں شق
شعلۂ تیغ جو چنگاریاں برساتے تھے
جن کا گھر قاف تھا وہ جن بھی جلے جاتے تھے

تا بہ نہر کیا تیغ نے میدان جو صاف — خوش ہوا دیکھ کے لختِ جگرِ عبد مناف
تیغ رومال سے کی پہلے جری نے شفاف — کہا للکار کے پھر کیا ہوا اے قوم خلاف
کسی جرار کو میداں میں نہیں پاتے ہیں
مشک بھرنے کے لئے نہر پہ ہم جاتے ہیں

کہہ کے یہ شیر نے کی میان میں فوراً تلوار — کر کے مہمیز سوئے نہر مڑا یا رہوار
فرسِ تیز ہوا داخلِ دریا اک بار — بڑھ کے موجوں نے لیے بوسۂ پائے جرار
شور تھا تختِ دلِ ساقیٔ کوثر آیا
آبرو بڑھ گئی دریا کی دلاور آیا
جھک کے غازی نے بھری مشکِ سکینہؑ اک بار — دوش پر رکھ کے وہیں کھینچ لی تیغِ خونبار
ہاتھ سے چھوڑ کے فی الفور لجامِ رہوار — حکم فرمایا بجھا پیاس، نہ ڈر تو، زنہار
خیمے تک جانے کا تو ہی ہے سہارا گھوڑے
تیری تکلیف نہیں مجھ کو گوارا گھوڑے
کیا وفادار کا گھوڑا بھی وفادار تھا واہ — سر ہلایا کہ میں پانی نہ پیوں گا واللہ
پیاس ہے تازی کے نہ کیوں دل میں ہو جاں کاہ — اسپِ سردار کی والا پیاس سے حالت تھی تباہ
مصرعِ شعر یہ مشہور چلا آتا ہے
بات رہ جاتی ہے اور وقت نکل جاتا ہے
آفریں کہہ کے علمدارؑ نے پھیرا رہوار — باگ لینے ہی اٹھا اسپِ سبک رو اک بار
لبِ دریا کے قریب آ جو گئے تھے کفار — گھاٹ پر چلنے لگی ابنِ علیؑ سے تلوار
تیغ نے کر دیا ہر سو تہ و بالا رن کو
قتل اسوار کئے، پے کیا ہر توسن کو
تنِ زخمی کا نہ غازی کو تھا ذرہ بھی ملال — دلِ صد چاک کو تھا تشنہ سکینہؑ کا خیال
حق سے کی عرض کہ اے خالقِ ذوالمجد و جلال — زرغۂ فوج سے مجھ بیکس و بے پر کو نکال
مجھ کو خواہش نہیں پینے کو میں پاؤں پانی
یہ تمنا ہے سکینہؑ کو پلاؤں پانی

ناگہاں پڑ گئی اک شانۂ چپ پر تلوار — کٹ گیا ہاتھ، گرا رایتِ شاہِ ابرارؑ
مڑ کے دیکھا کہ کیا اور ستمگار نے وار — دستِ ثانی بھی ہوا قطع ہوئے اب ناچار
حسرت و یاس سے گردوں کی طرف کو دیکھا
مشک کی دانتوں میں اور مڑ کے نجف کو دیکھا

آئی آوازِ علیؑ ہائے مرے شیرِ جواں — باغِ عالم میں کوئی آن کا تو ہے مہماں
ہاتھ شانوں سے کٹے خون بدن سے ہے رواں — آج جھکتا ہے بس فوجِ الٰہی کا نشاں
موت اب باغِ جوانی جو ترا لوٹے گی
اس الم سے کمرِ سبطِ نبیؐ ٹوٹے گی

ناگہاں تیر لگا مشکِ جری پر آ کر — چاک کی مشک گیا سینۂ انور سے گزر
خوں کے ہمراہ بہا مشک سے پانی یکسر — غش میں گھوڑے سے گرا نورِ نگاہِ حیدرؑ
غل ہوا فوج میں فرزندِ ولی کو مارا
اب ہوئی فتح کہ عباسِ علیؑ کو مارا

غش تھے یاں سیدِ سجاد درِ خیمہ پر — یہ صدا سنتے ہی دوڑے ہوئے آئے اکبرؑ
عرض کی شانہ ہلا کر کہ ذرا اٹھئے پدر — قتل عباسؑ ہوئے شور ہے لشکر میں ادھر
دل دھڑکتا ہے مرا خیر کے آثار نہیں
دیر سے شیر کی تلوار کی جھنکار نہیں

چونک کر شہ نے کہا کیا ہے کہو تو جانی — کیا علمدارؑ مرا نہر سے لایا پانی
کہا اکبرؑ نے کہ ہے بخت میں ایذا باقی — شور ہے قتل ہوئے رن میں علیؑ ثانی
چلئے جلدی کہیں بیدم وہ خوش اقبال نہ ہو
خوف ہے لاشۂ عم گھوڑوں سے پامال نہ ہو

شاہ بولے کہ شکستہ ہوئی بیکس کی کمر — مجھ سے اُٹھا نہیں جاتا ہے سنبھالو اکبرؑ
لے چلو تم، تو چلوں نہر پہ میں خستہ جگر — روشنی آنکھوں کی جاتی رہی اے نورِ نظر

سب جہاں تیرہ و تاریک نظر آتا ہے
درد شانوں میں ہے دل غم سے بیٹھا جاتا ہے

کہہ دو چلا کے بچھائے صفِ ماتم زینبؑ — مجھ کو بھی روئے کرے ماتمِ عباسؑ بھی اب
دم کا مہمان ہے اس درد میں تشنہ لب — زیست دشوار ہے بھیّا قتل ہوا بھائی جب

دلِ ناشاد کو کس طرح سنبھالوں بیٹا
مُردہ دیکھوں اُسے جس شیر کو پالوں بیٹا

سنتی تھی زوجۂ عباسؑ یہ سرور کا مقال — رو کے چلائی پسر کو کہ سنو تو اے لال
نکلو خیمے سے کہ اب غیر ہے میرا احوال — قتل عباسؑ ہوئے شہ کو نہایت ہے ملال

فائدہ کیا ہے بھلا جانِ حزیں کھونے سے
شہ کے قدموں پہ گرو منع کرو رونے سے

تجھے غمخوار ہوا خوب چچا کی جان فدا — شکر کی جا ہے ہوئے حقِ غلامی سے ادا
عرض کرنا کہ نہ آپ روئیں امام دوسرا — ہم ہیں موجود غلامی کو بجا لانے بابا

وہ تو کوثر پہ گئے پیاس بجھانے کے لئے
ہم تو موجود ہیں نعلین اٹھانے کے لئے

سن کے یہ بات چلا دوڑ کے وہ غیرتِ ماہ — آ کے قدموں پہ گرا شہ کے بصد حالِ تباہ
عرض کی کس لئے روتے ہیں شہِ عرش پناہ — صدقے بابا ہوئے حضرت پہ ملا رتبہ و جاہ

نہ کسی بات میں کچھ منہ سے کہیں گے آقا
ہم غلامی میں کمر بستہ رہیں گے آقا

سُن کے یہ بات لیا گود میں شہ نے اُس کو چوم کر منہ کہا اے لال یہ کیا کہتے ہو
جانتا ہوں تمہیں بھتیجوں سے زیادہ میں تو جانِ عباسؑ ہو تم قوتِ دل اے خوش خو
تم کو کیا فکر ہے راحت سے گزر جائے گی
جاؤ گھر میں نہیں ماں پیٹ کے مر جائے گی
ہم کو سمجھاتے ہو تم جاؤ بس اب والدہ پاس ماں کو سمجھاؤ کہ ہوئے گا بہت اس کو ہراس
دل بہل جانے کی باتیں کرو اے زینبِ شناس رات اب ہوتی ہے وہ ڈھونڈتی ہے اُس کی اَس
کر دیا اُس سے خجل چرخ نے اے لال ہمیں
بھائی بچھڑیں گے یہ معلوم نہ تھا حال ہمیں
کہہ کے یہ گود سے حضرت نے اُتارا کہ آہ داخلِ خیمہ ہوا اشک فشاں وہ ذی جاہ
سوئے جنگاہ چلے شاہ بصد حالِ تباہ ہاتھ تھامے ہوئے اکبرؑ تھے پدر کے ہمراہ
بھائی کے واسطے خم پیٹتے سر جاتے تھے
ضعف یہ تھا کہ ہر اک گام ٹھہر جاتے تھے
کبھی چلاتے تھے کس بن میں ہو بھائی عباسؑ ٹھوکریں کھاتے ہیں زخمی ہے جگر دل ہے اداس
موت نزدیک ہے جینے سے ہے مظلوم کو یاس دیکھ لیں آپ کی صورت جو بلاؤ ہمیں پاس
نہ تو بینائی ہے نہ تاب و تواں باقی ہے
غم اُٹھانے کے لئے جسم میں جاں باقی ہے
کس طرف آئیں ذرا ہم کو پکارو بھائی ہے غضب بے گئے ساتھ اپنے مری بینائی
ہم تلک آپ کی افسوس نہ آواز آئی غش میں ہیں یاں ہیں تمہیں خلد بریں کی بھائی
ہو جو قابو میں زباں ہم کو صدا دو بھیّا
ورنہ اک بار نشاں اپنا اُٹھا دو بھیّا

جب یہ لاشِ علمدارِ علی خون میں تر   لے گئے پاس امامِ دوجہاں کو، اکبرؑ
ضعفِ بینائی تھا چلّائے شہِ دیں رو کر   خونِ عباسؑ کی بُو آتی ہے مجھ کو دلبر
وہ پکارے کہ لعینوں نے جفا کی بابا
ہے یہی خون میں تر لاش چچا کی بابا

سُن کے یہ گر پڑے سلطانِ زمن بعد رنج و تعب   رو کے فرمایا کہ بس جان چلی جسم سے اب
میرے بھائیؑ ترا کیا حال ہوا ہائے غضب   منھ ملوں منھ سے کہ چوموں تری پیشانی و لب
بھائیؑ کے واسطے یہ رنج اٹھائے بھائی
زخمِ شمشیر و سناں سینے پہ کھائے بھائیؑ

کہہ کے یہ بھائیؑ سے حضرت نے ٹٹولے شانے   ہاتھ جب ہاتھ نہ آئے تو لگے چلّانے
عرض کی رو کے یہ فرزندِ شہِ والا نے   ہاتھ عمو کے مرے، قطع کئے اعدا نے
جز غم و یاس چچا جان کے کچھ ساتھ نہیں
ہاتھ کیا ڈھونڈتے ہیں آپ کہ اب ہاتھ نہیں

سُن کے یہ اور ہوا سرورِ عالم کو الم   غش سے چونکا وہ جری کھول دیئے دیدۂ نم
عرض کی شکرِ عنایاتِ خدائے عالم   جیتے جی دیکھ لئے آپ کے بندے نے قدم
حق سلامت رکھے دنیا میں شہِ عالم کو
اب نکل جائے جو دم کچھ نہیں پرواہ ہم کو

شہ نے فرمایا کہ کیا کہتے ہو اے راحتِ دل   آپ کی موت سے جینا ہے ہمارا مشکل
جائے انصاف ہے اے دلبرِ شاہِ عادل   تم نہ ہو خلق میں، دل پر میں رکھوں صبر کی سِل
جان دوں آپ سے پہلے یہی مشتاقی ہے
پر میرے واسطے تکلیف بہت باقی ہے

یہ تو بتلاؤ کہ کیا حال ہے اس دم بھائی — اس جوانی میں غضب ہے کہ تمہیں موت آئی
عرض کی آپ کے اقبال سے راحت پائی — آنکھ کھلتی نہیں کچھ نیند ہے ایسی آئی
جامِ کوثر مرے بابا مجھے دکھلاتے ہیں
وہ مرے لینے کو محبوبِ خدا آتے ہیں

آپ کی والدہ کرتی ہیں مرے غم میں بُکا — یہ کھڑے روتے ہیں بھائی حسنؑ سبز قبا
میں بھی جاتا ہوں خدا حافظ و ناصر آقا — کہہ کے یہ بند جو کی آنکھ درِ خلد کھلا
طائرِ روح گیا خلد میں تن چھوٹ گیا
شہ کو صدمہ یہ ہوا بند کمر ٹوٹ گیا

رو کے چلاتے کہ دنیا سے سدھارے عباسؑ — میرے عاشق، میرے شیدا، مرے پیارے عباسؑ
فوج میں گھیرے ہے بھائی کو تمہارے عباسؑ — تم کو شبیرؑ کدھر جا کے پکارے عباسؑ
کیا غضب ہو گیا مظلوم سے منہ موڑ گئے
واہ کیسی تھی یہ الفت کہ ہمیں چھوڑ گئے

ہم کھڑے روتے ہیں ریتی سے برادر اٹھو — خاک میں بھر گئی ہے زلفِ معنبر اٹھو
میرے ضیغم، مرے ہمدم، مرے صفدر اٹھو — ٹکڑے دل ہو گیا عباسؑ دلاور اٹھو
تن میں اب جان نہیں غم سے موئے جاتے ہیں
تھام لو ہاتھ، قدم بھائی کے تھراتے ہیں

بس ریاضِ جگر افگار نہ لکھ گریۂ شاہ — بزم میں روتے ہیں سب عاشقِ شاہِ ذیجاہ
عرض کر قبلۂ عالم سے کہ اے عرش پناہ — اس ریاضت کا ثمر پاؤں ملے خلد کی راہ
تازہ ہو غنچۂ دل مرقدِ انور دیکھوں
روضۂ حضرتِ عباسؑ دلاور دیکھوں

مرثیہ نمبر ۲

اس فوج کا مداح ہوں جو تشنہ دہاں ہے
ہر پیر بھی اک پیرِ شجاعانِ جہاں ہے
یوسف سے سوا حسن میں ایک ایک جواں ہے
لڑکا کوئی گلرو ہے کوئی غنچہ دہاں ہے
کس لطف سے سینوں کو جری تانے ہوئے ہیں
جانبازی کو بازی سے بھی کم جانے ہوئے ہیں

پیروں سے بڑے کچھ ہیں جوانوں کے ارادے
کرتے ہیں دعا آج ہمیں فتح خدا دے
بکھرے ہوئے ہیں شیر جو گلشن میں خزادے
خورشید سے چہرے ہیں خد و خال سے سادے
جنگل میں شگفتہ ہے چمن حق کے ولی کا
سبزہ کہیں آغاز ہے اور رخ گل ہے کسی کا

ہے جوش شجاعت پہ ہر اک شیر زباں کو
نیزے کو کوئی دیکھتا ہے کوئی کماں کو
بڑھ بڑھ کے کوئی تولتا ہے تیغ گراں کو
کھولا ہے علمدار دلاور نے نشاں کو
خورشید جلا جاتا ہے پنجے کی ضیا سے
بند آنکھیں سی ہوتی ہیں پھریرے کی ہوا سے

چہرے پہ علمدارؑ کے ہے نورِ جلالت ہر سمت جلو دار ہیں انصاف و عدالت
حامیِ بہادر ہیں شہنشاہِ رسالتؐ شمشیر میں جوہر ہیں فرس میں ہیں کمالات
فرماتے ہیں تن تن کے ہر اک غیرتِ مہ سے
یہ تیغ، یہ گھوڑا، یہ علم پایا ہے شہ سے

سالار ہے ہمصورتِ محبوبِ الٰہی جس سے کبھی فرقت نہ ذرا باپ نے چاہی
غل حسن کا ہے ماہ سے تا مسکنِ ماہی جرار، اولوالعزم، نمودار، سپاہی
کیا سیدِ ذیجاہ کو اقبال ملا ہے
یعقوبؑ کو یوسفؑ، انہیں یہ لال ملا ہے

شانِ جگرِ سیدِ مسموم جدا ہے لپٹی ہوئی ہر پیچ میں سہرے کی ضیا ہے
کنگنے نے کلائی میں نیا لطف دیا ہے سہرے کی ہے شاخ اور ثمرِ لعل لگا ہے
آغازِ جوانی میں جری قلعہ شکن ہے
احسن وہ مرقع ہے یہ تصویرِ حسنؑ ہے

جعفرؑ کے جگر بند بھی ہیں جنگ پہ طیار زینبؑ نے عجب شان سے بندھائے ہیں ہتھیار
اس سن میں اولوالعزم ہیں یہ صفدر و جرار کھینچے ہوئے تلواروں کو ٹھکراتے ہیں رہوار
روکیں نہ علمدارؑ تو مصروفِ وغا ہوں
ہے قصد کہ پہلے ہمیں ماموں پہ فدا ہوں

مسلمؑ کے پسر غیظ میں ہیں قتلِ پدر سے فرماتے ہیں لڑنے کے لئے آئے ہیں گھر سے
مل جائے اگر اذن شہِ جن و بشر سے ان نیمچوں کے ابر سے مینہ خون کا برسے
مٹ جائے نشاں خلق سے اس فوجِ زبوں کا
دعویٰ ہے کہ بدلہ لیں ہمیں باپ کے خوں کا

بے جرم کیا قتل مسافر کو دغا سے — تشہیر کیا لاش کو کس جور و جفا سے
سنتے ہیں دمِ نزع بہت بابا تھے پیاسے — پانی بھی پلایا نہ انہیں خوفِ خدا سے

یہ تفرقہ ہوگا نہ کسی کے تن و سر میں
سرِ شام میں لاشہ ہے ابھی کوفے کے در میں

اس سے بھی سوا کاہشِ جاں اور تعب ہے — دو بھائی ہمارے ہوئے مذبوح غضب ہے
اس قوم کو ہرگز نہیں کچھ پاسِ ادب ہے — بے وجہ انہیں کینۂ سلطانِ عرب ہے

جو ظلم کئے کوفے میں وہ حال کھلے ہیں
اب قتل پہ سب قبلۂ عالم کے تلے ہیں

بپھرے ہوئے تھے حضرتِ عباس کے بھائی — فرماتے تھے آغاز ہو اب جلد لڑائی
تیغوں سے کریں لشکرِ ظلم کی صفائی — گر قتل ہوں کہلائیں شہِ دیں کے فدائی

اعدا کو مٹائیں ابھی گھوڑوں کو اٹھا کر
بابا سے ملیں گلشنِ فردوس میں جا کر

فرماتے ہیں یہ قیس کا اعدا کو جنوں ہے — کیوں درپئے سلطانِ زمن فوجِ زبوں ہے
احمد کا لہو سیدِ مظلوم کا خوں ہے — اک دم میں نشاں لشکرِ ناری کا نگوں ہے

شیرانِ حسینی انہیں برباد کریں گے
کوئی نہ سنے گا جو یہ فریاد کریں گے

تھا غیظ و غضب وہب کو مانندِ غضنفر — فرماتے تھے ہے خرقۂ کلبی میں یہ لشکر
زنجیرِ جہنم سے جو بندھ جائیں گے اکثر — آئے گا چھڑانے نہ سگا کوئی نہ یاور

مثلِ سگِ دیوانہ شقی بھونک رہے ہیں
پائیں گے جواب اس کا جو بھونک رہے ہیں

ہیں سعد سعادت کے طلب کرنے پہ تیار ۔۔۔ کہتے ہیں ادا سر سے ہو حقِ شہِ ابرار
بجلی سی بنِ قین ہیں کھینچے ہوئے تلوار ۔۔۔ بل ابروئے عابس پہ ہے اور رنگ ہے گلنار
قبضوں کو جوانانِ علیؑ چوم رہے ہیں
حُبِّ شہِ مرداں میں کھڑے جھوم رہے ہیں

برہم ہیں سوا سب سے حبیب ابنِ مظاہر ۔۔۔ کہتے ہیں عدو کیا نہیں ہم لوگوں سے ماہر
ضیغم ہیں سب انصارِ شہِ طیّب و طاہر ۔۔۔ اسلام کا پیرو ہے ہر اک باطن و ظاہر
نصرت کے لیے سرورِ عالم کی پلے ہیں
شمشیریں ہماری ہیں اور اعدا کے گلے ہیں

پیری میں جوانوں کا ہے اس شیر میں دم خم ۔۔۔ بچپن سے یہ غازی ہے حبیبِ شہِ عالم
کھیلے ہیں سدا ساتھ، ہمیشہ کے ہیں ہمدم ۔۔۔ قد دال ہے غصّے پہ مزاج آج ہے برہم
آرام بھی آلام بھی، عالم میں سہے ہیں
افعال لعینوں کے جھکے دیکھ رہے ہیں

ہے حسنِ جوانی کا عیاں پشت کے خم سے ۔۔۔ یہ ماہ ہیں، مہرِ شہِ ذی جاہ و حشم سے
دل ان کا لگا رہتا ہے مولا کے قدم سے ۔۔۔ ہاں جھک گئے ہیں شاہ کے یہ بارِ کرم سے
تیار ہیں حملوں پہ سدا شیر کی صورت
اعدا پہ جھکے رہتے ہیں شمشیر کی صورت

جھکنے سے ہویدا ہے فروتن ہے یہ غازی ۔۔۔ رہتا ہے سدا شوق میں سجدے کے نمازی
بن کر یہ کماں لے گا خطا کاروں سے بازی ۔۔۔ تھراتے ہیں سب دشمنِ سلطانِ حجازی
چورنگ پڑے ہوں گے اِدھر اور اُدھر کے
جھک جھک کے لگائیں گے جو یہ وار کر کے

عاشق ہیں بہ دلِ نقشِ قدوم شہِ دیں پر — جھک جھک کے نئے دیکھتے ہیں چاند زمیں پر
کہتے ہیں کہ ہوتا ہوں فدا مہرِ مبیں پر — کب پاؤں مرے جائیں گے یہ عرشِ بریں پر
حمد شاہ کے اس صبر کی یہ دیکھ رہے ہیں
جھک جھک کے جگہ قبر کی یہ دیکھ رہے ہیں

ہے جلوۂ پیری سے غلط نور سراپا — سایہ میں شہِ دیں کے یہ آیا ہے بڑھاپا
یہ حسن لعینہ ہے مرخِ خضرؑ کا چھاپا — اوسط ہے قدِ پاک، قیامت نے جو ناپا
یہ رشک بڑھا، بدر بھی منہ ڈھانپ رہا ہے
سر ہلتا ہے یا مہرِ مبیں کانپ رہا ہے

آئینۂ حلب کا ہے کہ غازی کی جبیں ہے — اقبال سے مخفی خطِ تقدیر نہیں ہے
بالوں کی سفیدی سے عیاں نورِ مبیں ہے — ان ابروؤں پر ماہ کا لاریب یقیں ہے
ہر طرح مہِ نو کے مقابل ہیں یہ ابرو
خم میں بھی، صباحت میں بھی کامل ہیں یہ ابرو

مژگاں ہے کہ خورشیدِ بصارت کی کرن ہے — ہر موئے سپید ان کا عجب نور فگن ہے
آنکھوں سے ہر اک شیر کا بھی ہو غش ہرن ہے — ان پھولوں میں نرگس کے خدائی کا چمن ہے
عینک ہے محبت انہیں عینین علیؑ کی
دیکھے ہوئے آنکھیں ہیں یہ خالق کے ولی کی

مصباح بصارت کی ہے تو بینی انور — انگشتِ شہادت ہے پئے وحدتِ داور
رخسارۂ رنگیں ہیں کہ جنت کے گلِ تر — پتی کی رگیں، جھریاں چہرے کی ہیں یکسر
گلرنگ جو ہیں، رنگ شہادت کے ملے ہیں
نایاب نہ کیوں کر ہوں، خزاں میں یہ کھلے ہیں

ظاہر ہے ہر اک پر لبِ جاں بخش کی تاثیر　　لب پیر بھی تعظیم سے کہتے ہیں انھیں پیر
وا ہوتے ہیں یہ ہونٹ جو اکثر دمِ تقریر　　جھپکاتی ہے آنکھوں کو ہر اک دانت کی تنویر
کونین میں نایاب ہیں اعلیٰ ہیں گہر یہ
دل چیر کے یاقوت نے موتی یہ بھرے ہیں

اسرارِ الٰہی ہے کہ نایاب دہن ہے　　جس طرح سے آنکھوں سے نہاں نہرِ لبن ہے
کب ذہن میں گنجائشِ تقریر و سخن ہے　　یہ دُرجِ دُرِ نامِ حسینؑ اور حسنؑ ہے
ہوتا ہے شگفتہ یہ کہیں بادِ صبا سے
کھلتا ہے یہ غنچۂ گلِ زہرا کی ہوا سے

ہے تقویتِ روحِ ثنا سیبِ ذقن کی　　پھل یہ ہے بہشتی ملتی ہے جنت کے چمن کی
رنگت جو طلائی ہے تو خوشبو ہے سمن کی　　اس چاہ میں یوسفؑ کو نہیں یاد وطن کی
غبغب سے عیاں چشمۂ کوثر کا نشاں ہو
اس پیر کو دیکھے تو زلیخا بھی جواں ہو

زلفوں سے کھلا رنگِ شبِ زیست سحر ہے　　وہ چاندنی یہ ہے کہ فدا جس پہ قمر ہے
ہمسر نہیں یاں جوہرِ عنبر بھی اگر ہے　　جو موئے سپید اس کا ہے وہ تارِ نظر ہے
ظلمات رخِ خضرؑ سے پُر نور ہوا ہے
غیرت کے سبب مشک بھی کافور ہوا ہے

ہے نورِ خدائے دو جہاں ریشِ مبارک　　دیتی ہے خبر ربّ کا نشاں، ریشِ مبارک
گردِ رخِ انور ہے عیاں ریشِ مبارک　　والشمس کی تفسیر ہے ہاں، ریشِ مبارک
یہ ضو نہیں گزری کسی انساں کی نظر سے
ہے حاشیۂ صورت کا لکھا آبِ گہر سے

گردن سے صراحی ہے خجل جُھور ہے مینا ۔ بلّور کو اس نور سے آجائے پسینا
تحریرِ عروقی کو کہے دیکھ کے بینا ۔ لکھا ہوا ہے صاف رضینا بالقضینا
ہوئے گی قلم خنجرِ بیداد سے ان میں
رعشہ ہے کہ تھراتی ہے یہ شمع لگن میں

ہے بارِ ضعیفی سے قدِ پاک خمیدہ ۔ پر حسن وہ پیدا ہے جو دیدہ نہ شنیدہ
لشکر میں سوا ان سے نہیں عمر رسیدہ ۔ ہیں معرکہ آرائیاں کرار کی دیدہ
ہٹتے نہیں ہرگز کبھی میدان کی حد سے
ثابت قدمی سیکھی ہے خالق کے اسد سے

دیکھے ہوئے ہیں خیبر و صفین کی پیکار ۔ ترتیب صفِ جنگ میں معروف ہیں ہر بار
کہتے ہیں جوانوں سے کبھی بھائیو ہشیار! ۔ لڑکوں کے کبھی کھول کے بندھواتے ہیں ہتھیار
کرتے ہیں زیارت کبھی احمدؐ کے علم کی
بنتے ہیں سپر آکے کبھی شاہِ اُمم کی

اکبرؑ پہ دعا پڑھتے ہیں گہہ تھام کے بازو ۔ قاسمؑ کو کبھی دیکھ کے بھر لاتے ہیں آنسو
کہتے ہیں بہ حسرت کبھی دل غم سے مملو ۔ کچھ فکرِ حرم کیجیے اے سیدِ خوشخو
ہیں شدتِ آلام سے سب جاں کنی میں
لٹتے ہیں یہ مظلوم غریب الوطنی میں

شہ کہتے ہیں ہوگا وہی جو چاہے گی تقدیر ۔ مرضیِ خداوند میں مجبور ہے بشیر
ہو سکتی ہے اس وقت بھلا کون سی تدبیر ۔ آفت ہے مصیبت ہے تباہی ہے گلوگیر
گھیرے ہوئے ہر سمت سے بدخواہ ہیں بھائی
ناکوں پہ عدو روکے ہوئے راہ ہیں بھائی

؎ عروقی ۔ عرق کی جمع

ہے آج کے اِس رنج و اَلم کا یہ نتیجہ — سر پیٹیں گی فردوس میں زہراؑ و خدیجہؑ
والد سے پسر چھُوٹے گا، عمّو سے بھتیجا — غربت پہ مری ہائے کوئی دل نہ پسیجا
افسوس انہیں خوفِ خدا فوجِ ستم کو
سر ننگے پھرائیں گے یہ شہروں میں حرم کو

ہے یاد جو تھی خواہرِ غمخوار کی توقیر — رہتی تھی سدا دوش پہ حیدرؑ کے یہ دلگیر
یہ بھی ہے وہی آل جنہیں آیۂ تطہیر — اور بعد مرے قید میں جائے گی بہ تشہیر
سر پر نہ ردا ہوگی تو غم کھائے گی زینبؑ
میت پہ مری رونے نہ پائے گی زینبؑ

ہر رانڈ کی چھن جائے گی چادر سرِ بازار — بالوں سے چھپائیں گی رخِ پاک کو ہر بار
کھائے گا ترس بیوؤں پہ کوئی بھی نہ زنہار — رونے پہ انہیں کوڑے لگائیں گے ستمگار
بچے مرے بے آب و غذا زمیں پھریں گے
جو ظلم نہ دیکھے تھے وہ سفاک کریں گے

عابدؑ کو پنھائیں گے یہ بیڑی ستم ایجاد — گھوٹیں گے گلا طوق سے تا نکلے نہ فریاد
بُندے بھی اُتاریں گے سکینہؑ کے یہ جلاد — کھائے گی طمانچہ جو کرے گی مجھے وہ یاد
کبراؑ کو یہ بیوہ، ستم ایجاد کریں گے
اکبرؑ بھی سناں کھا کے مرے آگے مریں گے

یہ ذکر تھا جو تیرِ جفا فوج سے آئے — انصارِ امامِ دو جہاں خوں میں نہائے
کچھ تیر حبیب ابنِ مظاہر نے جو کھائے — غیظ آگیا، تھرّائے، سخن لب پہ یہ لائے
رخصت ملے، دل جینے سے بیزار ہے مولا
اب ضبط نمک خوار سے دشوار ہے مولا

میں نے تمھیں دیکھا ہے سدا دوشِ نبیؐ پر — تم تو پلے ہو دامانِ رسولِ عربیؐ پر
دل میرا اُچھلا جاتا ہے اِس تشنہ لبی پر — غصّہ ہے سپہ شام کی ہے بے ادبی پر
حیراں ہوں کہ کیوں پھٹ یہ کلیجا نہیں جاتا
اِس شکل سے آقا تمھیں دیکھا نہیں جاتا

اب تک تو غلاموں نے فقط کھائے ہیں یہ تیر — زخمی جو ہوئے آپ تو ہوگی مری تحقیر
دکھلاؤں گا پھر منہ کسے اے حضرتِ شبیرؑ — دو مجھ کو تصدّق میں جوانوں کے کہ ہوں پیر
بس موت کا مشتاق دلِ زار و حزیں ہے
اِس طرح سے جینے کی ہوس مجھ کو نہیں ہے

بچپن سے غلامی میں رہا ہوں میں تمھاری — گو پیر ہوں پر تیغ زنی میں نہیں عاری
آقا سے کسی طرح نہیں جان بھی پیاری — ممکن نہیں بی بی کی سنوں گریہ و زاری
ہر سمت سے آتی ہے صدا آہ و بکا کی
آواز ہے یہ دخترِ محبوبِ خدا کی

حضرت سے غلام آپ کا ہے سن میں زیادہ — احسان ہو دکھلائیے فردوس کا جادہ
دشوار ہے گر ترک کروں اب میں ارادہ — میں آج ہوں سر اپنا سرِ دست نہادہ
اِس وقت اجازت نہ اگر پاؤں گا آقا
گردن پہ چھری پھیر کے مر جاؤں گا آقا

کن آنکھوں سے دیکھوں یہ جفا فوجِ ستم کی — ہوں شاد اگر راہ ملے ملکِ عدم کی
تیر آتے ہیں پیہم یہاں فرصت نہیں دم کی — ہو جائے گا منہ[1] بند جو بجلی کوئی چمکی
اِس فوج کو اِس طرح نہ سر چڑھنے دو مولا
تلوار علم کرکے مجھے بڑھنے دو مولا

[1] منہ بند ہونا۔ خاموش ہونا۔ یہاں تلوار کی بجلی چمکنے سے مراد ہے

اُس روز کی وہ بات نہیں آپ کو کیا یاد — بچپن کا ہے یہ ذکر، لڑکپن کی ہے رُوداد
مصروف تھے تم کھیل میں اے سیّدِ امجاد — یہ بندۂ ناچیز غلامانہ تھا اُستاد
حشمت مجھے حاصل تھی عرب اور عجم کی
آنکھوں میں لگاتا تھا کھڑا خاک قدم کی

وارد ہوئے واں اتنے میں سردارِ دو عالم — چھاتی سے لگایا تمھیں حضرتؐ نے اُسی دم
جب پیار تمھیں کر چکے پیغمبرِ اکرم — خادم کو لیا گود میں با دیدۂ پُرنم
فرمایا کہ تو دلبرِ محبوبِ خدا ہے
عاشق ہے مرے لال کا، بیٹوں سے سوا ہے

جو ساتھ تھے حضرت کے ہوئے دیکھ کے حیراں — تب اُن سے لگے کہنے یہ پیغمبرِؐ ذی شاں
اِس طفل سے ہوئے گا عجب کارِ نمایاں — اک روز مرے لال پہ یہ ہوئے گا قُرباں
سرکا رکھے گی جو ولی ابنِ ولی کی
امداد کرے گا یہ حسینؑ ابنِ علیؑ کی

سو آج وہی روز ہے اے قبلۂ عالم — رُخصت مجھے فرمائیے، کیجے نہ مرا غم
کیا قہر ہے دیکھوں یورشِ لشکرِ اظلم — آتا ہے جگر منھ کو مرا سینے سے پیہم
کیوں کرنہ تغافل سے پشیمان ہو خادم
آقا پہ بلا آئے نہ قربان ہو خادم

یہ سُن کے لگے رونے شہِ کرب و بلاؑ — فرمایا یہ کیا بات مجھے یاد دلائی
نانا ہیں کہاں آج جو دوں اُن کی دہائی — وہ اُٹھ گئے، برگشتہ ہوئی ہم سے خدائی
سب جانتے ہیں خوب نواسے ہوں نبیؐ کا
اُمت کو نہیں پاس رسولِ عربیؐ کا

کیسا تھا حبیب ابنِ مظاہر وہ زمانا   جب عالمِ ایجاد میں موجود تھے نانا
کیا ہوتا ہے دُنیا میں کبھی ہم نے نہ جانا   دشوار تھا حضرت پہ مرا اشک بہانا
احمدؐ کا کرم رحمتِ معبود تھی بھائی
جس چیز پہ ہٹ کی وہی موجود تھی بھائی

آیا وہ میں مچلے جو بچے سمجھ آہو   پایا دُرِ مقصود جو ٹپکے کبھی آنسو
اک عید کو پوشاک ملی، خلد کی خوشبو   ہے آج وہ دن صبح سے دل غم سے ہے مملو
آفت ہے، تباہی ہے، بہت دُور وطن ہے
نہ گور کی ہے آس، نہ اُمید کفن ہے

فرما کے یہ، روئے جو شہِ طیبؐ و طاہر   قدموں پہ گرے بڑھ کے حبیب ابنِ مظاہر
کی عرض مرے حال سے خوب آپ ہیں ماہر   جز موت کے حق میں مرے کچھ بھی نہیں ظاہر
شرمندہ زیادہ نہ مجھے کیجئے آقا
خالق کے لئے اذنِ وغا دیجئے آقا

فرمایا شہِ دیں نے یہ اصرار ہے بیجا   بتلاؤ کہاں دوست ملے گا مجھے تم سا
یہ وقتِ رفاقت ہے ترحم کی ہے یہ جا   کیا پاس نہیں ہوگی جو رہ جائیں گے تنہا
تم ساتھ جو ہوگے نہ مصیبت میں پڑیں گے
ہمراہ سدا کھیلیں ہیں، ہمراہ لڑیں گے

کی عرض کہ دشوار ہے ساتھ آپ کا مولا   خورشیدِ نبیؐ آپ ہیں، میں ذرۂ ادنیٰ
گر ہوگی عنایت نہ اجازت مجھے آقا   پھٹ جائے گا اس خادمِ حضرتؑ کا کلیجا
کب کھیل میں ہمتائی کا دم بھرتا تھا خادم
سائے کی طرح ساتھ رہا کرتا تھا خادم

پرسن کے قدم سے انھیں حضرتؑ نے اٹھایا
رخصت کیا اور خونِ دل آنکھوں سے بہایا
خوش ہو گئے یہ، اذنِ وغا شہ سے جو پایا
شبیرؑ نے خود تھام کے گھوڑے پہ چڑھایا
قائم ہوا واں شیرِ وغا خانۂ زیں پر
دل تھام کے یاں بیٹھ گئے شاہ زمیں پر

اللہ رے اقبالِ حبیب ابنِ مظاہر
تھا جلوۂ اجلالِ حبیب ابنِ مظاہر
وہ دل وہ سن و سالِ حبیب ابنِ مظاہر
جرأت سے یہ تھا حالِ حبیب ابنِ مظاہر
کف منہ میں تھا غصے سے پسینہ تھا جبیں پر
یوں زیں پہ تھے جس طرح سے ہو نقش نگیں پر

نا کندہ فرس، پیری خود اور جواں بخت
پوشاکِ شہادت تھی کہ فردوس کا تھا رخت
فولاد کی شمشیر، کماں سبز، سپر سخت
دل میں یہ ارادہ کہ شہِ شام کا لو تخت
اللہ کی لعنت سپہِ کفر و دغا پر
ہر چند کمر خم ہے پہ جھک جاؤ وغا پر

بالیدہ ہے دل سرعتِ تازی پہ جری کا
اُڑنے میں جھگڑا ہے پرستاں کی پری کا
باز آئے جو دعویٰ ہے اسے تیز پری کا
پتلی سے عیاں طور ہے جادو نظری کا
حملوں میں تفوق ہے اسے شیرِ اجم پر
جنبش بادِ صبا ہوتی ہے ایک ایک قدم پر

راکب نے زمانے میں بہت کئے تگ و دو
اس عمر میں پایا ہے یہ مرکب پرچھنو
قلزم ہے کہ پوئی ہے، قدم ہے کہ جلی رَو
ساتھ ایک نہ پہنچے جو فرس مل کے چلیں سو
عنقا کے بھی ہرگز یہ فرس ہاتھ نہ آئے
گھوڑے تو ہیں حیوان، خرد ساتھ نہ آئے

تصویر ہے تازی کی، کنوتی بھی کفل بھی　　شائستہ ہے ہر چند، قیامت ہے یہ کل بھی
صرصر کو بتاتا ہے ہوا، کہہ کے، کہ چل بھی　　چلاتی ہے سرعت، حدِ امکاں سے نکل بھی
آندھی کو تھکا آیا ہے جھینپا ہے صبا سے
بازی لے لیں اب چل کے تو جنت کی ہوا سے

ہمتائے خیفرِ گام پہ ہیں، دریا ہے یہ گھوڑا　　تا مرگ جو مداح رہوں تو بھی ہے تھوڑا
شمشیر کا سایہ ہے، فرس کے لیے کوڑا　　تھی عمرِ رواں گو، پہ ابھی ساتھ ہے چھوڑا
پھر آتا ہے یہ دیکھ کے میدانِ عدم کو
لو! داب لیا خیرے، دامانِ عدم کو

کب یاں سے بھٹکتے ہیں، حبیب ابنِ مظاہر　　گھوڑے کو تھپکتے ہیں حبیب ابنِ مظاہر
بڑھتے ہیں، سکتے ہیں، حبیب ابنِ مظاہر　　کس غیظ سے تکتے ہیں حبیب ابنِ مظاہر
چہرے سے عیاں عشقِ ولی ابنِ ولی ہے
فرماتے ہیں مولا مرا فرزندِ علیؑ ہے

میں عاشقِ اولادِ رسولؐ عربی ہوں　　میں فدیۂ و ریشۂ دلبندِ نبیؐ ہوں
میں مائۂ والا نسبی، خوش لقبی ہوں　　میں صبح سے مشتاقِ شہادت طلبی ہوں
ہنگامِ وغا ہاتھ یہ تھمتا نہیں میرا
لاکھوں میں بھی ہرگز کوئی ہمتا نہیں میرا

استاد مرا، مرشد جبریلِ امیں ہے　　جنگاہ سے عادت مجھے ہٹنے کی نہیں ہے
جو بابِ علیؑ پر ہے گھسی یہ وہ جبیں ہے　　کچھ شک نہیں ہم رتبۂ خورشیدِ مبیں ہے
اِس سینے میں ہے عشق ولی ابنِ ولی کا
ان ہاتھوں میں دامن ہے حسینؑ ابنِ علیؑ کا

حیدرؑ نے بتایا ہے مجھے تیغ لگانا — جعفرؑ سے کیا یاد ہے نیزے کا ہلانا
حمزہؑ نے سکھایا ہے سپر حرب پہ لانا — ہادیؐ ادب ہے مرے سردار کا نانا
میں قائلِ وحدانیتِ ربِّ عُلا ہوں
میں صحبتِ خدامِ پیمبرؐ میں پلا ہوں

خوش طالعی حاصل ہے مجھے سعد نصیبی — فرماتے تھے محبوبِ خدا مجھ کو حبیبی
عاشق ہیں مرے شہ کے اعزائے قریبی — طرفین سے بخشی ہے مجھے حق نے نجیبی
تھا باپ زمانے میں عشائر میں عرب سے
پاکیزہ مری ماں تھی حسب اور نسب سے

مجھ کو یہ تفاخر ہے غلام شہ دیں ہوں — جس پہ ہے محمدؐ النقشِ وفا بین نگیں ہوں
دنیا سے ہے نفرت مجھے میں طالبِ دیں ہوں — مرتد ہوں، نہ مشرک ہوں، نہ غاصب نہ لعیں ہوں
حق چھینا کسی کا نہ کوئی میں نے دغا کی
اللہ نے ہے دولتِ ایمان عطا کی

جرأت مری ہر سو عربستان میں ہے مشہور — اس ہاتھ سے فی النار کئے سیکڑوں مقہور
صفین کے، خیبر کے، مجھے یاد ہیں گور — جس طرح لڑا کرتے تھے شاہنشہِ جمہور
سب سینے میں ہیں جمع وہ انداز وغا کے
ہر جنگ میں ہوں ساتھ رہا شیرِ خدا کے

میں خضرؑ کے ہمراہ ہوں، تم ہو گئے گمراہ — دوزخ کی تمہیں چاہ، میں جنت کا ہوا خواہ
سمجھاتا ہوں باز آؤ، جفا کیسی ہے للہ — بے جرم ہے واللہ دو عالم کا شہنشاہ
کیا حشر میں دکھلاؤ گے منہ خیرِ بشر کو
یارو! نہ ستاؤ شہِ مرداں کے پسر کو

خط بھیج کے بلوایا ہے وہ خود نہیں آیا
کس زور و دغا سے اسے مہمان بلایا
مجبور ہے، محتاج ہے، ارزاں کا جایا
برباد ابھی ہو گئے اگر اس کو ستایا
زینبؑ کی دعا دیکھنا خالی نہ پھرے گی
ہشیار رہو، برقِ غضب تم پہ گرے گی

شبیرؑ ہے نہ ملک کا نہ مال کا خواہاں
بے وجہ ستم کر کے عبث کھوتے ہو ایماں
سوچو تو ذرا دل میں، نہیں ہے تمھیں ایماں
گھر فاطمہؑ زہرا کا کرو دشت میں ویراں
پانی نہیں دیتے ہو کوئی حد ہے جفا کی
اولاد تڑپتی ہے رسولؐ دو سرا کی

یہ کہتا تھا جرار کہ تیر آئے ادھر سے
غازی بھی بڑھا چھیڑ کے تازی کو ادھر سے
شمشیر چلی شیر کی سر فوج کے برسے
ظاہر ہوا ہر سمت دھواں ابر سپر سے
بربادیٔ لشکر کی علامت نظر آئی
ہلچل ہوئی میداں میں قیامت نظر آئی

کرنے لگی لشکر کو قلم شیر کی شمشیر
ترکیب دکھانے لگی گلگیر کی شمشیر
مٹنے لگی ہر بانیٔ تزویر کی شمشیر
کفار کی ہر تیغ تھی تصویر کی شمشیر
وہ کانپ کے بھاگے جو جفاؤں کے پتلے تھے
در فتح کے کھلتے بند ہزیمت کے کھلے تھے

چمکی جو سرِ زیں پہ تو کاٹا اسے فی الفور
جس وقت ڈھلی ڈھال کی جانب رہا دور
تھا اس کے چمک جانے میں بجلی کا عجب طور
معدوم ہوا فتنہ و شر لپٹ ہوا جور
بڑھنے نہیں دیتی تھی کسی بانیٔ شر کو
کافر کا اٹھا پاؤں، لیا تیغ نے سر کو

جس صف پہ نظر کی وہیں بیجان تھے سپاہی — شمشیر دلاور تھی کہ تھا قہر الٰہی
پھیلی جو ضیا چار طرف تا متناہی — معدوم ہوئی دشت میں ڈھالوں کی سیاہی
انجم ہوئے پوشیدہ چمک تیغ کی تک کے
خورشید سر کنے لگا آنکھوں کو جھپک کے

گر آڑ ہوئی سر کی معاً ڈھال کو کاٹا — اُلجھی تو کمندوں کے ہر اک جال کو کاٹا
ناوک جو اُڑا کوئی، پر و بال کو کاٹا — اس ماہ نے ہر ایک بن و سال کو کاٹا
تھا لاگ تن و سر سے گیسے بیر تھا جاں سے
تیز ایسی تھی بڑھ جاتی تھی وہ عمر رواں سے

جس صف پہ گئی مثل الف صاف گزر آئی — کاٹے بھی پرے تیز سوا بن کے پر آئی
درکھول کے سینوں کے ہر اک ملیں در آئی — کڑکی تو زمیں پھٹ گئی، تھرائی تڑائی
دکھلاتی تھی بسمل کو نئے ناز چمک کے
بجلی کو جلا دیتے تھے انداز چمک کے

تھرا اُٹھا گیا رن میں جو شمشیر نے اس طور — لڑنے کو بڑھا فوج سے اک بانیٔ صد جور
چلایا کہ جرأت سے جہاں میں ہے مرا دور — اور پیر جوانا ہے تو رکھ تیغ بہ فی الفور
حسرت سے مری تو نہ ظفر پائے گا بیشک
مانے گا نہ کہنا تو خطا کھائے گا بیشک

دیکھا نہیں تو نے مری شمشیر کا چلنا — رستم کو سکھا دیتا ہوں میں گھات بدلنا
دیکھے گا کسی زخم سے گر خوں کا اُبلنا — دشوار تجھے ہوئے گا گھوڑے پہ سنبھلنا
گر خیر کا خواہاں ہے زیادہ نہ ہوس کر
ناداں نہ بن اپنی ضعیفی پہ ترس کھا

ہے عمر رسیدہ بھی، تری خم ہے کمر بھی
رعشہ ہے ترے جسم میں، جنبش میں ہے سر بھی
اس طور سے پیدا ہے کہ ہو ضعفِ بصر بھی
ان سب کے سوا فاقہ ہے اور تشنہ جگر بھی
بہتر ہے یہی اب کہ مرے آگے سے ٹل جائے
جی لے کوئی دن اور کہ ارمان نکل جائے

یہ سن کے ہنسے دل میں حبیب ابنِ مظاہر
فرمایا کہ کیا بکتا ہے او مرتد و کافر
فاقہ ہے، بلا سے، نہیں ہم جنگ میں قاصر
پیروں سے جواں پہلے ہوا کرتے ہیں آخر
وہ پیر ہوں، دانا مجھے سب جانے ہوئے ہیں
لوہا مرا سب پیر ترے مانے ہوئے ہیں

ہوں پیرِ طریقت کا مبیں پیرو خُشن ہوں
تو شام ہے شامت کی، شجاعت کا میں دن ہوں
دیرینہ غلامِ شرفِ قدسی و جن ہوں
کیوں دُرِ نجف چھوڑ کے خواہانِ دمن ہوں
خم ہونے سے رتبہ مرا دنیا میں بڑھا ہے
خورشید کو لرزہ مرے رعشے سے چڑھا ہے

جھکتا ہے یہ شمشیر ہے لاریب، اصالت
جھک کر مرا منہ چومتے تھے شاہِ رسالت
مشہور ہیں دانا ہوں، تو پابندِ جہالت
اس بحث میں بیہودہ تو کرتا ہے طوالت
تو نار میں جائے گا، مرا اوج کھلی ہے
میں پیر ہوں بیشک، یہ مرا پیر علیؑ ہے

دیکھوں گا میں جھک کر تری شمشیر کا چلنا
بدلے گا ترا رنگ کہاں، ٹھاٹ بدلنا
ہے رنگِ شہادت کا فقط خوں کا ابلنا
ثابت قدموں کو نہیں مشکل ہے سنبھلنا
نہ زیست کا خواہاں ہوں، نہ دنیا کی ہوس ہے
عشقِ شہِ ابرار کی دولت مجھے بس ہے

گھبرا نہ، ترے حلق پہ اب رکھتا ہوں تلوار — معلوم یہ ہوتا ہے کہ ہو جائے گا فی النار
کھائے گا خطا آپ، کہ تو خود ہے خطا کار — ہے کور بھی، تیور سے ترے ہوتا ہے اظہار
بتلا تو، کدھر نار، کدھر خلد بریں ہے
تمیز تجھے کچھ حق و باطل کی نہیں ہے

جھنجھلا گیا یہ سن کے، لیا اُس نے کماں تیر — یاں آتے ہی دو ہو گیا، ہشیار تھی شمشیر
پھر اُس نے لگایا بہ ستم ناوکِ جاں گیر — فی الفور کٹا وہ بھی، نہ کی تیغ نے تاخیر
گوشوں سے کیا بڑھ کے یہ غل پیر و جواں نے
لو تیروں کو ٹکڑے کیا بڑھ بڑھ کے کماں نے

جس وقت تہی مغز کا ترکش ہوا خالی — برچھی ستم ایجاد نے گھبرا کے سنبھالی
بتلا کے اَنی چشم زبوں شیر پہ ڈالی — وار اُس نے کیا، تیغ نے یاں آنکھ بچا لی
چنگاریاں اُڑنے سے تزلزل ہوا بن میں
آئی جو قریں دو ہوئی اک چشم زدن میں

مردود نے پھینک دیا پھر گرزِ گراں کو — چلایا کہ اب ڈھونڈ رہِ امن و اماں کو
نعرہ کیا صفدر نے کہ آتا ہے کہاں کو — کچھ منھ سے کہے گا تو میں کاٹوں گا زباں کو
کیا ہوگا، فقط یہ تو ہے اِک دُور کا حربہ
باقی نہ ترے پاس رہا دُور کا حربہ

وار اُس نے کیا، یاں سے چلی شیر کی تلوار — کٹ کر جو گرا گرز، ہوئی دشت میں جھنکار
مردود نے پھر بڑھ کے تبر کا کیا اِک وار — ثابت نہ بچا وہ بھی، زہے تیغِ شرربار
تضعیف بھی تشعیف بھی تھی شیر کے فن میں
ہر حربے کو دو کر دیا اِک تیغ سے رن میں

مردود جو غازی ہوا تلوار کو کھینچے　　اہلِ ستم و جور نے خونخوار کو کھینچا
غُل پڑ گیا، موذی نے سیہ مار کو کھینچا　　کج باز جفا جو نے دل آزار کو کھینچا
تھا ابرِ سیہ برق لئے ماہ پہ لپکا
مردود جبینِ شہِ ذی جاہ پہ لپکا

یاں سے بھی بڑھا تیغ لئے شیرِ نرینہ　　دیکھی جو چمک تیغ کی، تھرّایا کمینہ
چار آئینے ڈھیلے ہوئے، شق ہو گیا سینہ　　ظاہر ہوا جیسے یہ جو سینے میں تھا کینہ
مجبور ہوا غلغلۂ دار و بزن سے
تلوار لگائی تو، پہ خالی گئی سن سے

اس پیرِ شجاعت نے کیا جھک کے جو اک وار　　تلوار پڑی ناف پہ، دو ہو گیا غدار
گھوڑے سے گرا، ہل گیا سب عرصۂ پیکار　　فرمایا شہِ دیں نے کہ شاباش ہے جرّار
تلوار سے ہرگز نہ ملے امن اماں کو
کس شان سے مارا ہے ضعیفی میں جواں کو

تسلیم جری کر کے جھکا فوجِ ستم پر　　پھر تیغ بھی چلنے لگی اور اسپ بھی فر فر
کچھ پشت پہ آیا ستم ایجادوں کا لشکر　　مارا کسی جلاد نے اک زور سے خنجر
پسلی پہ پڑا، چیر کے پہلو نکل آیا
کاری جو لگا زخم تو خوں بھی ابل آیا

طاقت نہ رہی حرب کی، دل ہو گیا مضطر　　پڑنے لگے پھر نیزہ و شمشیر برابر
خالی نہ رہی جسم میں جا، زخم سے یکسر　　تھرّا کے گرے پشتِ فرس سے وہ زمیں پر
نامردوں نے کس ظلم سے اس پیر کو مارا
اک شور اٹھا، یاورِ شبیرؑ کو مارا

بیتاب ہوئے شاہ، یہ آواز جو آئی عباسؑ سے فرمایا چلو دوڑ کے بھائی
گھوڑے سے گرا سبطِ پیمبرؐ کا فدائی میں کٹ گیا پردیس میں خالق کی دہائی

ہوتا ہے زمانے سے سفر دوست کا میرے
ڈر ہے نہ کوئی کاٹ نے سر دوست کا میرے

یہ کہہ کے چلے لاش پہ سلطانِ دوعالم چلاتے تھے ہے ہے مرے یاور مرے ہمدم
پہنچے جو سر لاش، سوا اور ہوا غم دیکھا کہ سفر کر چکا دنیا سے وہ جیغم

ہے ریگ بیاباں کا، ہر اک زخم بدن میں
نہ خون رگوں میں ہے نہ دم باقی ہے تن میں

لپٹے تنِ بے جاں سے شہِ طیبؑ طاہر وہ آہ کی جس سے کہ قیامت ہوئی ظاہر
چلائے مرے حال سے تم خوب تھے ماہر مجھ کو نہ دیا ساتھ حبیب ابنِ مظاہر

خود اٹھ گئے یاں تو ابھی درپیش بلا ہے
سو خنجرِ خونخوار ہیں، اک خشک گلا ہے

ہے ہے مرے عاشق مرے نادر مرے شیدا تم سا نہ کوئی اہلِ وفا ہوئے گا پیدا
ہر بات میں دلجوئی تھی بیکس کی ہویدا سمجھا گئے مظلوم کو آنکھوں کا سویدا

الفت کی نظر رہتی تھی زہراؑ کے پسر پر
آنچ آنے نہ دی کوئی بھی اس خستہ جگر پر

میرے لیے پیری میں یہ تکلیف اٹھائی اک بوند بھی پانی کی کئی روز نہ پائی
یہ آرزوئے خلدِ بریں دل میں سمائی شبیرؑ سے پہلے گئے فردوس میں بھائی

کیا لطف ہے حوروں کی ملاقات میں تنہا
چھوڑا مجھے ان صدمہ و آفات میں تنہا

اے میرے مصاحب مرے یاور ترے صدقے — اے میرے جری میرے غضنفر ترے صدقے
اے حامیِ دیں، زینتِ لشکر ترے صدقے — ہر زخم پہ بیکس و مضطر ترے صدقے
عاشق یہاں شبیرؑ کا ایسا نہیں کوئی
یوں سب ہیں مگر ساتھ کا کھیلا نہیں کوئی

کچھ دور نہیں تم سے قریب آتا ہوں میں بھی — سوکھے ہوئے اس حلق کو کٹواتا ہوں میں بھی
زخمِ تبر و تیر و سناں کھاتا ہوں میں بھی — سر اپنا پئے نذرِ خدا لاتا ہوں میں بھی
پھر ہجر کا صدمہ نہ کوئی دل پہ سہیں گے
اک جا چمنِ خلد میں دن رات رہیں گے

چلائی درِ خیمہ سے یہ دخترِ زہراؑ — کیا ابنِ مظاہر نے قضا کی مرے بھیا
لے آؤ یہاں لاش کے صدقے ہو دکھیا — موجود نہیں ہائے یہاں اس کی ہے بیوا
احباب کا پرسا ترے میں خیمے میں لوں گی
چادر کا کفن اپنی میں بھیج اسے دوں گی

یہ کہہ کے ہر اک بی بی سے بولی وہ دل افگار — ہوں ابنِ مظاہر کے میں پرسے کی طلبگار
اک جگہ جمع ہو کے ڈھکو منہ کو بس اکبار — سب رو کے کہو ہائے مرا شہ کا مددگار
شیدائے حسینؑ ابنِ علیؑ مر گیا ہے ہے
تنہا مرے بھائی کو یہاں کر گیا ہے ہے

سیدانیاں یہ سن کے فراہم ہوئیں یکجا — زینبؑ کو ہر اک ڈھانپ کے منہ دیتی تھی پرسا
ماں لاش پہ بیتاب تھے غم سے شہِ والا — فرمانے لگے رو کے، گئے چھوڑ کے تنہا
پردیس میں مظلوم سے منہ موڑ گئے تم
بچپن کا جو ساتھی تھا اسے چھوڑ گئے تم

جب رن میں حبیب ابنِ مظاہر گیا مارا — واں فوجِ یزیدی ہوئی پھر رن میں صف آرا
لاشے سے چلا روتا یداللہ کا پیارا — پھر جنگ لگی ہونے ہلی ارض دوبارا
تا عرش گئی رن سے صدا شور و فغاں کی
کام آ گئی سب فوج امامِ دو جہاں کی

تا عصر رہا غلغلۂ جنگ سے محشر — پھر گردنِ شبیرؑ تھی اور ظلم کا خنجر
یاں پیٹتے تھے اہلِ حرم کھولے ہوئے سر — واں کٹتا تھا حلقِ پسرِ فاتحِ خیبر
بی بی کوئی مضطر تھی، کوئی غش میں پڑی تھی
ماں لاشۂ فرزند پہ سر ننگے کھڑی تھی

ناگاہ ہوا شور کہ شبیرؑ کو مارا — سر سبطِ نبیؐ کا تنِ اطہر سے اتارا
یہ غل جو سنا آلِ محمدؐ نے قضارا — ہر صاحبِ عصمت نے گریباں کیا پارا
اس صدمۂ بیجا سے کسی کو نہ کل آئی
زینبؑ تو یہ گھبرائی کہ باہر نکل آئی

چلائی کہ بھائی کی مرے لاش کدھر ہے — کس غار میں مذبوحِ پیمبرؐ کا پسر ہے
افتادہ کہاں ریگ پہ زہراؑ کا جگر ہے — دی شمر نے آواز وہ ہے لاش یہ سر ہے
کیا منفعت اب آہِ گلوگیر سے ہوگی
پھر جا کہ ملاقات نہ شبیرؑ سے ہوگی

غش ہو گئی یہ سنتے ہی مخدومۂ عالم — پیشِ عمرِ سعد وہ سر لے گیا اظلم
بولا وہ لعیں کام یہ ہے سب سے مقدم — سر جملہ شہیدوں کے کر والے فراہم
تاکید سے ہر شخص کو تو دیجیو دھکا
سر تن پہ نہ رہ جائے کسی کشتۂ غم کا

یہ سُن کے گئے چند ستم کیش و جفا کار — لائے سرِ پُر خون سپاہِ شہِ ابرار
لٹکائے کوئی ہاتھ میں تھا فرقِ علمدار — تھامے ہوئے تھا کوئی سرِ اکبرِ جرار
عمامے پہ لپٹا ہوا سہرا تھا کرن کا
رکھا تھا کسی ہاتھ پہ سر ابنِ حسنؑ کا

تھا کوئی لئے چاند سا فرقِ علی اصغرؑ — روشن تھی جبیں، بال جھنڈولے تھے معنبر
باچھوں میں بھرا خون بھی کا دودھ بھی کچھ کر — رونے لگی سر دیکھ کے سب فوجِ ستمگر
فرقِ شہِ دیں پیار سے دلدار نے دیکھا
حسرت سے سرِ سیدِ ابرارؑ نے دیکھا

سر آ چکے جب لشکرِ شبیرؑ کے یکسر — بولا وہ سر ابنِ مظاہر کو اُٹھا کر
بچپن سے یہ تھا حامیِ ابنِ شہِ خیبر — تشہیر ہو ملکے میں یہ سر ہے یہی بہتر
دیکھے گا جو واں کوئی، جگر اس کا ملے گا
جو جائے گا لے کر اُسے انعام ملے گا

اِک شامی پکارا کہ یہ سر دے مجھے سردار — لے جاؤں ابھی اس کو توقف نہ ہو زنہار
مکے میں پھروں گا اِسے تشہیر کئی بار — دکھلاؤں گا ایک ایک کو جا کر سرِ بازار
جو پوچھے گا کیوں اس کو قلم تن سے کیا ہے
کہہ دوں گا عوض اُلفتِ حیدرؑ کا لیا ہے

یہ سُن کے لعیں نے کہا سر اس کے حوالے — سر صاحبِ ایماں کا پڑا کفر کے پالے
لے کر جو چلا وہ تو کٹے سر نے یہ نالے — ظالم، سرِ آقا سے ذرا مجھ کو ملا لے
شرماؤں گا محشر میں رسولِ عربیؐ سے
ہوتا ہوں جدا ہائے سرِ سبطِ نبیؐ سے

چلاتا سرِ شاہ کہ خالق ہے نگہباں   تقدیر میں تھا ہجر، نہ ہو مضطر و نالاں
مکّے کو چلے تم تو بصد حالِ پریشاں   اپنے لئے آفت کے نئے ہو گئے ساماں
ہیں بار بہت ہم پہ غم و رنج و محن کے
رہنے نہیں دیں گے یہ لعیں ساتھ بہن کے

جائیں گے کوئی آن میں اب نوکِ سناں پر   لٹکیں گے درختوں میں بصد حالتِ مضطر
تنور میں پوشیدہ کریں گے ہمیں اکثر   شہروں میں پھریں گے کبھی کھاتے ہوئے پتھر
خوشبو جو رہا کرتے تھے شانے سے سلجھ کر
رہ جائیں گے کانٹوں میں وہی بال الجھ کر

دنیا مرا پیغام یہ کعبے کو محن میں   حاجی ترا مذبوح ہوا ظلم کے بن میں
سر اس کا سناں پر ہے چڑھا لاش ہے رن میں   گھر لٹ گیا یا بادِ خزاں آئی چمن میں
فرقت میں تری صدمے اٹھائے ہیں بلا کے
قیدی ہیں حرم سبطِ رسولؐ دوسرا کے

زمزم سے یہ کہنا کہ ملا ہم کو نہ پانی   اسود کو سنا دیجو یہ میری زبانی
پتھر مجھے سب مارتے تھے ظلم کے بانی   اک بات مری سنگدلوں نے نہیں مانی
تھی پیاس دمِ مرگ میں سولہ پہر کی
اے کوہِ صفا خوب صفائی ہوئی گھر کی

کہتا رہا رو رو کے یہ سرِ سیدِ طاہر   واں چل دیا لے کر وہ سرِ ابنِ مظاہر
تھا دشمنِ احبابِ علیؑ باطن و ظاہر   اوجِ سرِ غازی سے وہ کافر نہ تھا ماہر
تکلیف وہ دیتا تھا کبھی نوکِ سناں کی
لٹکا تھا گردن میں کبھی اسپِ رواں کی

پہنچا جو قریں، باب ہوا شہر کا ظاہر   تھا در میں کھڑا ابنِ حبیب ابنِ مظاہر
چلّایا جو دیکھا وہ سرِ طیّب و طاہر   جاتا ہے کہاں، کون ہے، کر مجھکو بھی ماہر
اِس وقت عجب حال ہے کچھ دل کے تعب کا
بتلا تو مجھے سر ہے یہ کس خاصۂ رب کا

دکھلا تو، مشابہ مرے بابا سے ہے یہ سر   آنکھوں میں نہ ابرو میں کہیں فرق ہے تل بھر
آتا ہے کہاں سے تو سراسیمہ و مضطر   معلوم ہے کچھ حالِ دلِ فاتحِ خیبر
واں لوگوں نے حضرت سے وفا کی کہ دغا کی
ہے چھاؤنی کس دشت میں اب فوجِ خدا کی

کچھ رونقِ اسلام ہوئی اور زیادہ   سلطانِ دو عالم کا ہوا دور زیادہ
انصاف میں ہے شہ کو سدا غور زیادہ   دُنیا میں نہ ہوئے گا بس اب جور زیادہ
ہے طاعتِ اللہ، اطاعت شہِ دیں کی
وہ عرش کی رونق ہیں تو زینت ہیں زمیں کی

افزوں بھی ہوا حضرتِ شبیرؑ کا لشکر   عباسؑ کا کیا حال ہے کس طرح ہیں اکبرؑ
قاسم کا ہوا بیاہ بھی اے بندۂ داور   اب گھٹنیوں چلنے بھی لگے حضرتِ اصغرؑ
کیسی ہے ہوا فاطمہ زہراؑ کے چمن کی
بہنیں تو ہیں اچھی شہِ آوارہ وطن کی

یہ سر مرے بابا کا ہے گر مجھکو یہ بتلا   کیا جرم ہوا اُن سے وہ مارے گئے کس جا
گر حکمِ شہِ دیں سے ہوئے قتل ہوں بابا   میں خوش ہوں کسی طرح کی مجھکو نہیں پروا
مجھ کو بھی کریں قتل، مرا گھر بھی جلا دیں
وہ مالکِ کونین ہیں جو چاہے سزا دیں

کام آئے ہوں گر شہ کے کروں شکرِ الٰہی — سردار پہ جان دیتے ہیں ہر وقت سپاہی
ہر طرح انہیں آوج ملا لا متناہی — آبادیٔ فردوس ہے دُنیا میں تباہی
قبضہ ہُوا بابا کا مرے خُلدِ بریں پر
گھر بار فدا ناخنِ پائے شہِ دیں پر

اُس نے کہا تو ابنِ مظاہر کا پسر ہے — فرمایا کہ ہاں ہاں وہ جری میرا پدر ہے
چلایا لعیں اے یہ ترے باپ کا سر ہے — تشہیر کروں گا اِسے یہ حکمِ عمر ہے
واقف ہوں، ہر اک حال شہِ ہر دوسرا سے
آتا ہوں نئے سر سے ابھی کرب و بلا سے

یہ بولا کہ اوّل مرے آقا کا سنا حال — کس طرح ہے اے شخص شہنشاہِ خوش اقبال
دُنیا میں رہے لاکھ برس فاطمہؑ کا لال — دم سے شہِ دیں کے ہے سب حشمت و اجلال
خورشید وہ حیدر کا ہے، زہراؑ کا قمر ہے
وہ باعثِ ایجادِ دو عالمؐ کا پسر ہے

چلایا لعیں باپ ترا قتل ہوا آہ — فرزندِ جری بولا کہ کیا بکتا ہے گمراہ
میں پوچھتا ہوں خیریتِ سرورِ ذیجاہ — تو کہتا ہے کیا، ہے کوئی بیہودہ ہی واللہ
افضل میں سمجھتا ہوں شہِ جن و بشر کو
آقا کی خبر سُن لوں تو پوچھوں گا پدر کو

بولا وہ شقی، قتل ہوئے حضرتِ شبیرؑ — خود گور کے محتاج ہیں، سر نیزے پہ ہے تشہیر
نہ فوج، نہ لشکر ہے، نہ دولت ہے نہ جاگیر — ریتی پہ ہیں اُفتادہ شہِ مضطر و دلگیر
ہم نے نہ کیا پاس رسولؐ عربی کا
گھر جل گیا اور لُٹ بھی گیا سبطِ نبیؐ کا

اکبرؑ کو تہہِ تیغ کیا فوجِ جفا نے — دریا پہ کٹے حضرتِ عباسؑ کے شانے
قاسمؑ کا کیا بیاہ شہِ ہر دو سرا نے — نوشاہ کو پر گھیر لیا آ کے قضا نے
نیزے پہ علم فرقِ گلِ باغِ حسنؑ ہے
کیا پوچھتا ہے، قید میں سر ننگے دلہن ہے

آغوش میں شبیرؑ کے اصغرؑ گئے مارے — کیا گھٹنیوں چلتے کہ وہ جنت کو سدھارے
شبیرؑ کی ہمشیریں ہیں اب گور کنارے — پردیس میں زیور بھی گئے اُن کے اُتارے
منہ ڈھانپ نہیں سکتی ہیں، یہ حال کھلے ہیں
ہیں رسیاں شانوں سے بندھی بال کھلے ہیں

بابا ترا خود پھنس گیا اندوہ بلا میں — وہ قتل ہوا دوستیِ آلِ عبا میں
سب فوج نے سمجھایا اُسے دشتِ وغا میں — پختہ تھا ہر اک طرح سے لیکن وہ وفا میں
ہرگز نہ پھرا بادشہِ کرب و بلا سے
ناچار اُسے ذبح کیا تیغِ جفا سے

یہ سُن کے کہا اُس نے کہ صد شکر خدایا — اقبالِ شہادت کا مرے باپ نے پایا
ممنون ہے، مشکور ہے، مظلوم کا جایا — اُلفت میں شہِ دیں کی اُنہیں تو نے کٹایا
یہ داغ مگر رہ گیا اِس قلبِ حزیں پر
افسوس تصدق نہ ہوا میں شہِ دیں پر

یہ کہتے ہی غیظ آ گیا اُس رشکِ قمر کو — ٹکڑے کیا پتھر سے جفا کیش کے سر کو
گر کر زمیں پر سے بھاگا وہ سقر کو — ہاں بیٹھ گیا لے کے لپٹ باپ کے سر کو
چلایا کہ شبیرؑ پہ قرباں ہوئے بابا
احمدؐ کے جگر کے لیے بے جاں ہوئے بابا

تم نے تو ادا حقِ رفاقت کو کیا خوب ‌‌ ‌ حاصل ہُوا رُتبہ وہی جو تھا تمہیں مطلوب
ہم رہ گئے، ہم کو بھی یہی اوج تھا مرغوب ‌ ‌ ‌ افسوس نہ کی بخت نے یاری کسی اسلوب

دوزخ میں پڑے رہ گئے پہنچے نہ جہاں ہیں
تم مر گئے، ہم ٹھوکریں کھائیں گے جہاں ہیں

بچپن میں پڑی سر پہ مرے خاکِ یتیمی ‌ ‌ ‌ شہ پر نہ تصدق ہُوا مولا تھے قدیمی
یوں پھر گئیں شبّیرؑ سے افواجِ جہیمی ‌ ‌ ‌ ظاہر ہوا افسوس یہ امت ہے لئیمی

ہرگز نہ کیا پاس رسولِؐ دوسرا کا
سر کاٹ لیا دلبرِ محبوبِ خدا کا

زندہ نہ پھرے لشکر میں سرِ آپ کا آیا ‌ ‌ ‌ تقدیر نے یہ رنگ نیا ہم کو دکھایا
بے فکر تھا، اُٹھا سر پہ مرے آپ کا سایا ‌ ‌ ‌ کس دیس میں چلے گئے کہو اب کیا جایا

یاں پوچھنے والا بھی ہمارا نہیں کوئی
ماں رانڈ ہوئی، اپنا سہارا نہیں کوئی

فریاد کروں کس سے کہ سرور بھی ہوئے قتل ‌ ‌ ‌ تم بھی نہ رہے سیدِ اطہر بھی ہوئے قتل
سنتا ہوں کہ اکبرؑ بھی اور اصغرؑ بھی ہوئے قتل ‌ ‌ ‌ کیا قہر ہے عباسِؑ دلاور بھی ہوئے قتل

اب کون، بتاؤ، پئے امداد ہے باقی
آئی یہ ندا سیدِ سجادؑ ہے باقی

رقعے نے سرِ فرق جو برپا کیا ماتم ‌ ‌ ‌ یہ تازہ خبر شہؑ کے ہُوا شہر فراہم
افسوس کوئی کرتا تھا با دیدۂ پُرنم ‌ ‌ ‌ کہتا تھا کوئی اے ہے اُٹھے سرورِ عالم

اُمت نے یہ کیا شہ سے سلوک آہ کیا ہے
اُلٹے اگر اب عالمِ امکاں تو بجا ہے

تھرائی تھی کعبے کی زمیں آہ و بکا سے سر پیٹتے تھے گلیوں میں اللہ والے
کہتا تھا کوئی ہائے پیمبرؐ کے نواسے اِک حشر تھا عورات کے رونے کی صدا سے
غم شہر میں برپا تھا یونہیں سبطِ نبیؐ کا
ماتم ہوا تھا جیسے رسولِ عربی کا
جب ہو چکا یوں ماتم شاہنشہ طاہر کعبے میں کیا دفن سرِ ابنِ مظاہر
خاموش ریاضت کہ قیامت ہو گی ظاہر آقا ترے احوال سے ہیں ماہر و باہر
گھبراتا ہے کیوں، جلد تجھے یاد کریں گے
تو جن کا ہے بیشک وہی امداد کریں گے

مرثیہ نمبر ۳

جب ترکِ[1] آسمان نے علَم کی حسامِ روز کھینچا میانِ خانۂ مشرق بنامِ روز
روشن ہوا ہر ایک جگہ اہتمامِ روز بچھا جہاں میں تارِ شعاعی سے دامِ روز
رنگت سفید دیکھ کے زنگیِ لیل کی
ترکی[2] تمام ہو گئی ترکِ سہیل کی

دوشِ فلک سے ڈھال سیاہی کی ڈھل گئی تنویرِ تیغ بن کے ستاروں پہ چل گئی
سلطانِ خاوری کی سروہی اُچھل گئی انجم کی فوج صفحۂ ہستی سے ٹل گئی
خورشید کو حشم جو ملے ارتفاع کے
زنگیِ شب پہ چل گئے نیزے شعاع کے

رکھی زرہ نجوم کی جب چرخِ پیر نے تاجِ زری پہن لیا مہرِ منیر نے
پائی شکست بدرِ علیم النظیر نے برہم کیا نجوم کو اس دار و گیر نے
گردوں کی کائنات کھلی کائنات پر
شبخوں پڑا سپاہِ صباحی کا رات پر

[1] مریخ آفتاب سے بھی مراد لیتے ہیں
[2] ترکی تمام سخن کا ترجمہ ہے۔ گھمنڈ جاتا رہا۔

نورِ سحر میں طور ہوا آبِ سبیل کا　　مجمع ہوا فرار ستاروں کے خیل کا
گردوں پہ نور گم ہوا روئے سہیل کا　　گھر خال سے لگا دیا پیلا ٹے نیل کا
فرقِ فلک کی روشنی دستار بن گئی
تلِ چہرۂ عدم کا شبِ تار بن گئی

ہمراہ مشکِ شب ہوا کافور نورِ بدر　　تھا لخلخہ سحاب کی صورت ظہورِ بدر
پایا قرار آمدِ شب پر نشورِ بدر　　خالی مئے ضیا سے ہوا سب خمورِ بدر
عارف جسے محو ذکر سے کافر شراب سے
صہبائے ضو چھلکنے لگی آفتاب سے

حکمِ خدا میں کوئی نہیں جائے دم زدن　　ظاہر میں پر ضعیف بہت ہے یہ خستہ تن
کہنے لگے یہ سن کے شہنشاہِ بے وطن　　حامی تمہارا ہوئے گا خلاقِ ذوالمنن
طاقت خدا نے دی ہے پیمبرؐ کے دین کو
تم ہو امام جاؤ الٹ دو زمین کو

فرما کے یہ کہا کہ خدا حافظ اے پسر　　ہوتی ہے دیر سر پہ ہے مظلوم کے سفر
رونے لگے یہ سنتے ہی سجادؑ نوحہ گر　　بولے غلامِ ترک کو شبیرؑ دیکھ کر
خدمت سے اس مریض کی منہ کو نہ موڑیو
تا حدِ اختیار نہ عابدؑ کو چھوڑیو

عابدؑ سے جب وداع شہِ بحر و بر ہوئے　　اشکِ الم سے دامنِ بیمار تر ہوئے
اہلِ حرم خیام میں سب نوحہ گر ہوئے　　آثارِ روزِ حشر ادھر اور ادھر ہوئے
چھاتی ہر ایک دیکھنے والے کی پھٹ گئی
ماتم کی صف بچھانے میں مسند الٹ گئی

نوٹ:۔ چند بند درمیان سے غائب ہیں۔

نکلا حرم سے فاطمہؑ زہرا کا نورِ عین
آمادۂ جہاد تھا سلطانِ مشرقین
ہو کر سوار رن کو چلے جب بزیبِ زین
بیٹے کے ساتھ ساتھ ہوئے فاتحِ حنین
حوریں صدا پر ستوں پہ گوہر فشاں ہوئیں
بکھرا کے بال فاطمہؑ آگے رواں ہوئیں

وہ فوج کی نمود، وہ اقبال و کرّوفر
تا چرخ طرقوا[1] کی صدائیں اِدھر اُدھر
فوجِ ملک لئے ہوئے ہاتھوں میں سیم و زر
چہروں کا وہ فروغ وہ نورِ دمِ سحر
بَر میں ضیا کو دھوپ نئے چڑھتی جاتی ہے
خورشید جتنا بڑھتا ہے ضو بڑھتی جاتی ہے

تیزی ہوئی ہے دَور میں گردوں کے بیشمار
یہ وجہ ہے کہ ہوتا ہے شبیرؑ پر نثار
جنبش پہ قطبِ چرخ ہے آمادہ بار بار
ثابت ہوا نہیں کسی سیارے کو قرار
ہے قوس کی کمان فراز اب چڑھی ہوئی
مہتاب میں زیادہ ہے سرعت بڑھی ہوئی

عالم کو انقلاب یہ دکھاتا ہے اپنا زور
ہے رام و روم خوف سے گھٹے ہیں مار و مور
مٹی سے بند کرتا ہے بہرام اپنی گور
اظہار میں عیاں ہے تلاطم سے طرفہ شور
دل غرقِ بحرِ یاس ہے ہر رو سیاہ کا
ڈوبا کوئی گھڑی میں یہ بیڑا سپاہ کا

اقبال کی صدا ہے کہ ہے کسقدر شکوہ
ٹل جائے سامنے سے کوئی کاہ ہو کہ کوہ
آتا ہے بادشاہِ سرافراز و حق پژوہ
دیکھے تو روحِ قیصر و خاقاں ہو پر شکوہ
قصدِ جہاد رکھتا ہے مُرخ پر جلال ہے
ہشیار یہ کشندۂ خیبر کا لال ہے

[1] طرقوا ۔ عرب کے نقیب سلاطین کے آگے طرقوا کہتے تھے یعنی راستہ دو۔

دیتا ہے یہ نقیب صدا بڑھ کے باادب
آیا جنودِ شام پہ اللہ کا غضب
سب جانتے ہیں قبلۂ دیں کا حسب نسب
تھرائیں گے جبال و زمیں فرش و عرش سب
کانپے گا عضو عضو صغیر و کبیر کا
رن پر چڑھا ہے لال جنابِ امیرؑ کا

کس دھوم سے رواں ہے سواری حضورؑ کی
جلوہ سپہر دیتا ہے برق کو نور کی
خنکی نسیمِ صبح میں ہے چشمِ حور کی
بیٹھی ہے خاک خوف سے نزدیک و دور کی
سبزہ نکھرا ہے گو یہ عرق ہے جبین پر
چھڑکاؤ اس کا ہے ہر اک سو زمین پر

اقبال آگے آگے ہے رحمت ہے سپاہ
نقیبِ اوج کی ہے صدا روبرو نگاہ
دہنے کو تازیوں پہ ہیں اطفال رشکِ ماہ
بائیں طرف رواں ہیں جوانانِ کج کلاہ
گو ہیں ضعیف سینے ہیں لیکن تنے ہوئے
ہیں پیر شاہِ دیں کے مصاحب بنے ہوئے

پریاں فرس اگر ہیں سلیمانؑ سوار ہیں
یہ وہ بشر ہیں جن پہ ملائک نثار ہیں
انصارِ شاہِ عصر فلک اقتدار ہیں
کیا لشکرِ خدا کے حشم آشکار ہیں
سب جھومتے ہیں بادۂ عرفاں پیئے ہوئے
عباسؑ نامدار علم ہیں لئے ہوئے

پہنچا جو اس شکوہ سے سلطانِ غرب و شرق
رعبِ جنودِ حق سے گری شامیوں پہ برق
محوِ تماشا عہد تھا اللہ رے برق و زرق
شمشیریں غازیوں کی پکاریں کہ فرق فرق
تن کانپے اہلِ شام کا بادل لرز گیا
گھوڑوں کے ہنہنانے سے جنگل لرز گیا

فوجِ خدا کی جم گئی اِک صف زیب و زین — حجّت تمام کرنے کو آگے بڑھے حسینؑ
فرمایا وعظ و پند شہِ دیں نے جانبین — آئے مگر نہ راہ پہ وہ مرتدِ حُصین
اہلِ خطا کب آتے ہیں راہِ ثواب میں
تیر آ گئے فوجِ زشت و زبوں کے جواب میں

جب سوئے شاہ لشکرِ کیں کے نشاں بڑھے — بہرِ جہاد فوجِ خدا کے جواں بڑھے
روباہ کے گروہ پہ شیرِ ژیاں بڑھے — کھا کھا کے تیر سینوں پہ ابرو کماں بڑھے
خوں سے زمینِ دشت کی گلرنگ ہو گئی
آغاز غازیوں سے غرض جنگ ہو گئی

لشکر امامِ عصر کا ہونے لگا شہید — جنّت سے موت لانے لگے دم بدم رسید
تیغوں سے غازیوں کی گھٹا لشکرِ یزید — از خونِ تازہ لالۂ خونیں کفن دمید
دو ہو گیا حُسام ذرا جس کو چھو گئی
ھَل مِن مُبارِز کی صدا چار سو گئی

میداں میں رستخیز کی صورت تھی آشکار — عابدؑ سے جھک کے کہتا تھا وہ ترک بار بار
شہ پر حبیب ابنِ مظاہر ہوئے نثار — اب فتح ہیں فوجِ کفر سے کرتے ہیں کارزار
عباس نے حشر کر دیا جنگ و جدال سے
لشکر گھٹا ہلالِ جری کے کمال سے

کیا حق نے ان جوانوں کو رُتبے عطا کئے — روشن جہاں میں جنگ سے نامِ وفا کئے
پائے امامِ دیں پہ سر اپنے فدا کئے — دیں جانیں خوب حقِ رفاقت ادا کئے
اُٹھے جہاں سے اُلفتِ شاہِ غریب میں
جنّت کی سیر لکھی تھی ان کے نصیب میں

بولا غلام ترک کہ اے شاہِ اتقیا   دل چاہتا ہے میں بھی ہوں شبیر پر فدا
کیا دور ہے جو آپ عنایت کریں رضا   حاصل ہو مشتِ خاک کو گردوں کا مرتبا
خدمت میں آپ کی مجھے گو افتخار ہے
پر نصرتِ امام کو دل بیقرار ہے

فرمایا تو بھی ہوتا ہے بیمار سے جدا   پُرساں رہے گا کوئی نہ حالِ مریض کا
انصاف کر کبھی جو متغیر ہوئی دوا   تیار کر کے کون پلائے گا یہ بتا
ہمراہ اس سفر میں مرے کون جائے گا
غش کھا کے جب گروں گا تو کون اٹھائے گا

بولا وہ ترک حاضرِ خدمت ہے جاں نثار   ہوں گا نہ ایک دم کو علیحدہ میں زینہار
میں کر چکا ہوں خدمتِ حق بے افتخار   سوچیں اگر حضور تعلّیٰ مالی کار
ہوگا غلام قید کیا فوجِ شام میں
پاس آنے کون دیگا مجھے ازدحام میں

یہ سن کے سرنگوں ہوئے سجادؑ نامدار   فرمایا خیر جا کہ دیا میں نے افتخار
لے میرے بابا جان سے تو اذنِ کارزار   آزاد میں نے کر دیا ہے بہرِ اقتدار
خلدِ بریں کی راہ سے قصدِ مصاف کر
کھٹکا ہو گر کبھی تجھے میں نے معاف کر

فرما کے یہ پھوپھی کو بلایا بصد الم   پوشاک اور سلاح منگائے بچشمِ نم
پہنایا اس کو خلعتِ زیبا بصد حشم   ہتھیار بھی عطا کئے اپنے زہے کرم
دکھلائے طورِ فیضِ عنایت امام نے
بندھوائی اس حبشی کی کمر اپنے سامنے

فرمایا دیکھ جنگ سے اب منہ نہ موڑنا　　سینے خطا شعاروں کے تیروں سے توڑنا
بڑھ کر یلانِ شام کے پنجے مروڑنا　　جو منہ پہ آئے فوج سے زندہ نہ چھوڑنا
چلائیں پہلوان یہ فوجِ شریر کے
لڑتے ہیں یوں غلام جنابِ امیر کے

کرنا رسالے درہم و برہم دمِ نبرد　　روباہ فوجِ شام کے ہو جائیں شیر مرد
ہر ضرب پر سپہر ہو نیلا زمیں ہو زرد　　چھڑکاؤ دے لہو کے نہ اٹھے زمیں کی گرد
غل ہو کہ خوب فوج کی مٹی خراب کی
رن لوٹنے لگے کہ پناہ بوتراب کی

رخصت ہوا یہ سن کے وہ ترکِ وفا شعار　　آیا حضورِ سرورِ ذی قدر و ذی وقار
بولے یہ اُس کو دیکھ کے سلطانِ نامدار　　کیوں خیر تو ہے کیسا ہے سجاد کا بخار
وقفہ ہوا مرض سے کہ اس خوش خصال کو
کس طرح آیا چھوڑ کے تو میرے لال کو

کہنے لگا یہ سن کے وہ سرمایۂ شعور　　آزاد مجھ کو کر دیا آقا نے اے حضور
بخشے سلاح و خلعتِ زیبا بصد سرور　　دیجئے رضائے حرب مجھے اے خدا کے نور
شورِ عطائے سرورِ عالی مقام ہو
فہرست میں شہیدوں کی میرا بھی نام ہو

شہ بولے تو نے قصد کیا کیوں یہ اے جواں　　کرتا ہے مفت باغِ جوانی کو رائیگاں
مکنونِ دل ہے گر ہوسِ گلشنِ جناں　　کافی ہے فیضِ خدمتِ بیمارِ ناتواں
کس خادمِ علیؑ پہ خدا کا کرم نہیں
خدمت ہماری اوجِ شہادت سے کم نہیں

لی عرض اس نے اے پسرِ شاہِ ذوالفقار
اب تو یہی ہوس ہے کہ حضرت پہ ہوں نثار
فرمایا شہ نے خیر دیا اذنِ کارزار
آقا سے پائے اسلحہ و خلعت بہ افتخار
جو اور چاہتا ہے وہ اے نیک نام لے
اصطبل سے مرے فرسِ تیز گام لے

تسلیم کی جری نے عطائے امام پر
آیا حضورِ حضرتِ سجادؑ نامور
کی عرض پایا اذنِ وفائے خجستہ فر
سو جاں سے ہیں نثارِ شہنشاہِ بحر و بر
ممتاز کر دیا دل و جانِ بتولؑ نے
بخشا فرس بھی راکبِ دوشِ رسولؐ نے

آیا ہے بہرِ رخصتِ آخر یہ جاں نثار
گر حکم ہو تو قصد کروں بہرِ کارزار
بولے یہ سن کے حضرتِ سجادؑ نامدار
جا بہرِ جنگ حافظ و حامی ہے کردگار
وقفہ نہیں نہ کیجیو جنت کی راہ میں
سونپا تجھے علیؑ ولی کی پناہ میں

یہ سن کے آبدیدہ ہوا باوفا غلام
آقائے نامدار کو جھک کر کیا سلام
آیا وہاں سے خیمۂ شہ پر وہ نیک نام
آواز دی کہ اے حرمِ سیدِ انام
جاتا ہوں کارزار کو میں فوجِ شام سے
ہو عفو گر ہوئی ہو خطا کچھ غلام سے

پھر کر صفِ نبرد سے ہرگز نہ آؤں گا
ملکِ بقا کو عالمِ ہستی سے جاؤں گا
تن تن کے تن پہ تیرِ جگر دوز کھاؤں گا
گرمی بہت ہے خون میں اپنے نہاؤں گا
نصرت کروں گا رن میں امامِ انام کی
تم سب سے آخری ہے یہ رخصت غلام کی

محشر میں بہرِ حق نہ مجھے بھول جائیو اپنا غلام کہہ کے وہاں بھی بلائیو
ہوں میں گناہگار، مجھے بخشوائیو ساتھ اپنے لے کے روضۂ جنت میں جائیو
ذرّے کا اور مہر کا واں ساتھ ہوئے گا
دامن تمہارا اور مرا ہاتھ ہوئے گا

یہ سن کے اہلِ بیت میں محشر بپا ہوا ڈیوڑھی پہ آئی بانوئے سلطانِ دوسرا
دے کر دعا پکاریں کہ اے ترکِ باوفا ہوتا ہے کس لئے مرے سجّاد سے جدا
کیا وجہ یاس، شدّتِ آزار ہو گئی
کیوں خدمتِ مریض تجھے بار ہو گئی

کی عرض اس نے اے قمرِ عفت و حیا خدمت سے ان کی فخر ہمیشہ مجھے ملا
لیکن محیطِ آلِ نبیؐ آج ہے بلا آقا نے آپ دی ہے مجھے رخصتِ وغا
وہ چاہتے ہیں دل سے امامِ انام کو
صدقے کیا ہے قبلۂ دیں پر غلام کو

بولیں اک آہ کھینچ کے بانوئے بے وطن تجھ کو جزائے خیر دے خلّاقِ ذو المنن
رکھتا ہے فخرِ نصرتِ شاہنشہِ زمن حامی ترا خدا ہو، مددگار پنجتن
نہ نزع میں نہ قبر میں تجھ کو ہراس ہو
ہنگامِ حشر آلِ محمدؐ کے پاس ہو

تسلیم کر کے ڈیوڑھی سے نکلا وہ نامدار دیکھا لئے کھڑا ہے جلودار راہوار
دامن کمر میں رکھ کے وہ غازی ہوا سوار خادم کی طرح ساتھ ہوئے عزّ و افتخار
محوِ نظارۂ مہرِ تجلی نشاں ہوا
مولائے غرب و شرق کا مولیٰ رواں ہوا

بہ حسبِ نبردِ خادمِ زین العبا چلا
رن کو غلامِ بادشہِ انما چلا
خورشیدِ آسمانِ سخا و وفا چلا
تازی جری کا صورتِ بادِ صبا چلا
جھونکا ہوا سے تند کا بھی تھک کے رہ گیا
رفرف فرس کی تیزیوں کو تک کے رہ گیا

پیکِ نگاہِ مہر تھا صدقے بار بار
جو وہم میں نہ آئے وہ ساعت بھی آشکار
باندھیں شکار بند سے مذبوحِ گرشکار
گرمی سے اُس کی ہوئے روانہ یہ رہوار
زخمِ گلو کا اُس کے نہ موقوف درد ہو
مشرق سے چل کے غرب میں نخچیر سرد ہو

حق نے جو اِس فرس کے عناصر کیے بہم
نہ آگ اور نہ آب و ہوا کچھ تھے بیش و کم
ڈالا بجائے خاک کے سیماب یک قلم
پھر کس طرح نہ تیز ہو یہ اسپِ خوش قدم
جب یہ چلا، نہ ساتھ کسی کی نگہ گئی
گردِ قدوم صرفِ نظر آ کے رہ گئی

کھولے ہوئے نشانِ ظفر ساتھ ہے حشم
خادم کو کبریا نے کیا صاحبِ خدم
صدقے ہے روحِ قیصر و خاقاں کی دم بدم
اقبال دے رہا ہے صدا یہ زہے کرم
شکرِ خدا کہ رشکِ دہِ مہر و ماہ ہوں
میں باریابِ خدمتِ خدامِ شاہ ہوں

پھیکا سحر کو کرتا ہے کیا کیا جبیں کا نور
چین اس کی موجِ بحرِ وجاہت کا ہے ظہور
کرتی ہے طبع وصف میں ابرو کے کیا قصور
مضموں تو لفظ میں نہیں آتا ہے دور دور
خامہ ہے دنگ صنعتِ حق کے کمال پر
تاروں کا کام صاف ہے گویا ہلال پر

ہے زیورِ سلاح سے آراستگی پسند　　حورا کی زلفِ پاک سے ہے ریشمی کمند
کس نوک سے ہے نیزۂ خطّی کے تئیں بلند　　اک رات ہے سپہر کی مگر نجم و مہر ہیں چند
اقبال و افتخار و تہوّر ہیں ساتھ میں
بخشش ہوئی امام کی ہے تیغ ہاتھ میں

رن کی زمیں سر کہتی ہے اللہ رے رعب و تاب　　سر کو بچالے آج ہے چکّر میں آفتاب
بجلی نہاں ہوئی ہے کہ زہرہ ہے آب آب　　کوسوں ہوا کے ساتھ فراری ہے گو سحاب
بھولی جفا سپہر کو ہے قتلِ ولید کی
بیٹھی ہوئی ہے خوف سے آواز رعد کی

لشکر میں تہلکہ ہے سپاہی ہیں جاں بلب　　حیراں ہے آئینے کی طرح لشکرِ حلب
ہے زنگیوں کو ڈر کے سبب روز مثلِ شب　　مصری پکارتے ہیں ہوئی تلخ زیست اب
شامی کباب ہو کے سُوئے نار جائیں گے
اب چینیوں کے کاسۂ سر پار جائیں گے

یہ تہلکہ پڑا تھا کہ پہنچا یہ شیر مرد　　روکی لگام اسپ کی جھاڑی قبا کی گرد
تھرّا کے رُو سیاہ ہوئے مارے ڈر کے زرد　　میدانِ رستخیز بنا، عرصۂ نبرد
جانوں کو آ کے پیکِ قضا ڈھونڈنے لگے
راہِ فرار اہلِ جفا ڈھونڈنے لگے

حسن و جمالِ شیر کا تکنے لگیں صفیں　　آنکھیں فروغِ رخ سے جھپکنے لگیں صفیں
ہتھیار کھول کھول ٹپکنے لگیں صفیں　　دہشت بڑھی دلوں میں سرکنے لگیں صفیں
اوندھی پڑی تھی خوف سے جو رن میں لاش تھی
پرواز کو پروں کی پروں کو تلاش تھی

تشویش و تہلکہ میں ہے سب لشکرِ جفا — یہ ترکِ با وفا بھی کھڑا ہے تنا ہوا
اکبرؑ نے جا کے حضرتِ عابدؑ سے یہ کہا — میداں میں ہے چچا آپ کا وہ ترکِ با وفا
اِس دم نگہ لڑی ہوئی ہے فردِ فوج سے
کہتا ہے دل کہ خوب لڑے گا وہ فوج سے

یہ بات سُن کے خوش ہوئے سجادؑ نامدار — چاہا اُٹھیں پہ کانپ گیا جسمِ رعشہ دار
فرمایا چھوٹے بھائی سے میں آپ کے نثار — خیمے کی یہ قنات اُٹھا دو تو ایک بار
ہو جائے مجھ سے سامنا دشتِ نبرد کا
لڑنا میں دیکھوں دُور سے اُس شیر مرد کا

محوِ نظارہ ہو گئے سجادؑ نامدار — دی ترک نے صدا کہ خبردار، ہوشیار
آیا غلام عابدِؑ ذی قدر و ذی وقار — رُتبے مرے ہیں سب پہ زمانے میں آشکار
بندہ اُس آستاں کا ہوں اُس در کام ہیں
جس گھر کے خادموں میں فرشتے تمام ہیں

آقا ہے میرا زینتِ زُہاد و عابدیں — کہتا ہے نام، شرح کی حاجت کوئی نہیں
کیا کیا صفت بیان کرے مضطرِ حزیں — خورشیدِ دیں، امامِ مبیں، قبلۂ یقیں
شکلیں اُنھیں سے طاعتِ حق کی سنورتی ہیں
روزے میں دن، نمازوں میں راتیں گزرتی ہیں

بولے عدو پسند نہیں ہم کو وعظ و پند — آیا ہے گر وغا کے لیے چھیڑ تو سمند
دیکھیں تری وغا کے بھی انداز دل پسند — شمشیر کھینچ میان سے نیزے کو کر بلند
لڑنے کو مستعد سپہِ شام و زنگ ہے
آنکھوں کو کھول بزم نہیں دشتِ جنگ ہے

نعرہ کیا دلیر نے بہتر ہے ہوشیار　　یاد آئے گی یہ پند تمہیں وقتِ احتضار
یہ کہہ کے لی نیام سے شمشیرِ آبدار　　گا تھمی لجامِ اسپِ امام انجم کے راہوار
جھپکی ہر ایک چشم کہ تازی نکل گیا
قلبِ جنودِ ظلم سے غازی نکل گیا

گردوں سے پار ہونے لگی ضو حسام کی　　شامت نمود ہونے لگی فوجِ شام کی
تقریر کرتے تھے جو بڑی دھوم دھام کی　　اُن کی زبان تیغ نے چھوڑی نہ کام کی
منہ کھولا جس نے لطفِ سخن کھو کے رہ گیا
نکلا جو کوئی لفظ تو دو ہو کے رہ گیا

کاٹا کسی کا فرق، کسی کا جگر لیا　　اٹھی جو آنکھ دور سے تارِ نظر لیا
پسلی پہ آئی تو سینۂ بیداد گر لیا　　سرکی نہ واں سے دشمنِ دیں گر نہ مر لیا
تکتی تھی موت تیغِ جری کی صفائی کو
جب تک نہ نکلی روح نہ چھوڑا کلائی کو

کیا نامیوں کے چھانٹ رہی تھی نہال قد　　جوڑ اسے موت دینے لگی خود مثال قد
کٹ کٹ کے لام الف ہوئی نیزہ بکف دال قد　　زیں سے زمیں پہ ہونے لگا انتقالِ قد
روحیں تنوں سے ہٹ کے بہت دور ہو گئیں
ڈر سے گرے تو ہڈیاں سب چور ہو گئیں

مغفر کو آبلے کی طرح پھوڑ دیتی تھی　　تیغوں کا رو سیاہوں کی منہ موڑ دیتی تھی
فرقِ عدو حیات کا خط توڑ دیتی تھی　　دم لے کے استخوان فقط چھوڑ دیتی تھی
تھی چند معرکوں میں

اعضا فقط نہ کرتی تھی وہ شعلۂ جُدا — دہشت سے ہوگئے تھے عناصر جُدا جُدا
پانی جُدا تھا، خاک جُدا تھی، ہوا جُدا — دکھلا رہی تھی آگ کچھ اپنا اثر جُدا
نفسی کے ہر زباں پہ جاری کلام تھے
اُس سے مرکبات بھی مفرد تمام تھے

ٹوٹیں صفیں، پَروں میں تلاطم ہوا عیاں — بھاگے بچا کے جانوں کو میداں تیغ راں
ناوک فگن بھی بن گئے جھک جھک کے خود کماں — ناگہہ برائے جنگ بڑھا ایک پہلواں
مرحب نہاد ثانیِ افراسیاب تھا
چتون سے ظلم، چہرے سے پیدا عتاب تھا

آیا قریب شیر جو مکار و خود پسند — چیخا مثالِ پیل کہ بس روک لے سمند
لشکر کو تیغِ تیز سے سمجھا نہ اب گزند — لڑ مجھ سے اے غلامِ وفادار ارجمند
دیکھوں کہ کس طرح کا بہادر جواں ہے تو
غازی کا ہے غلام کہ کچھ پہلواں ہے تو

تیور سے آشکار ہے رکھتا ہے تن میں کس — دکھلا جنابِ زین العباؑ کے نمک کا جس
بولا فرس کو روک کے غازی کہ بس بس — آ، ٹھاٹ ٹھیک کر کے جو ہو جنگ کی ہوس
سنتا نہیں ہوں لاف و گزافِ زبانی کو
لشکر سے اپنے پوچھ مری پہلوانی کو

او شور بخت نشے میں اس وقت تھا مگر — سجادؑ کے نمک کا جو دیکھا نہیں اثر
کھائے گا زخم ہاتھ سے میرے کوئی اگر — بر کہ بنے گی لعین جیب تیرے سر بسر
آنکھیں کھلیں گی سارا نشہ بھول جائے گا
ہر زخم پر نمک کا مزا یاد آئے گا

۱؎ کمیل، اتاش کے تینوں میں ایک پیتہ غلام بھی ہوتا ہے۔

تقریرِ چُست سُن کے ہوا سُست وہ شریر
دو ٹانک کی کمان اُٹھا کر لگایا تیر
پہنچا قریبِ شیر کے جب تیرِ قلب گیر
دو انگلیوں میں ناوکِ خالی ہوا اسیر
پھینکا بغیرِ قوس عیاں یہ ہُنر ہوا
عینِ زمیں سے عینِ وغا میں گزر ہوا

آنکھوں پہ ہاتھ رکھ کے ہوا خم زبوں سیر
بد بیں کی پہلے وار میں کم ہو گئی نظر
پٹی غرض بدیدۂ مجروح باندھ کر
آگے بڑھا سنبھال کے بھالا بکرّ و فر
دے کر تکاں جو وار کیا خود پرست نے
نیزہ شقی کا چھین لیا تیز دست نے

ہاتھوں کو مَل کے رہ گیا وہ خوارِ نجس
نعرہ کیا جری نے یہی حوصلہ تھا بس
دیکھا نمک کا حضرتِ عابدؑ کے تُو نے جس
حربہ سنبھال اور کوئی گر ہے کچھ ہوس
اب سوچ لی جو ذہن میں راہِ فلاح ہے
ماروں بلا سلاح تجھے یہ صلاح ہے

سُن کر یہ بات اسپ وہ لایا قریب تر
مارا سرِ دلیر پہ اک گرزِ گاؤ سر
خالی دیا جو وار جری نے بہ کرّ و فر
دستِ نجس سے چھُٹ گیا گرزِ زبوں سیر
فرقِ لعیں پہ قہر کا اک آسماں گرا
جھکا فرس زمیں پہ جو گرزِ گراں گرا

اُکھڑی شقی کی ران گیا زد سے بچ نکل
آواز دی دلیر نے ظالم سنبھل سنبھل
موذی نے مارِ تیغ لیا کھینچ کھا کے بل
ضربت لگائی ایسی کہ میداں گیا دہل
کاری پڑے حسام یہ آیا خیال میں
پر بچ گیا دلیرِ دلاور وہ ڈھال میں

یاں ہو گئی کلائی کو گردش جو ایک بار — فی الفور جھن سے ٹوٹ گئی تیغ آبدار
چپکا شقی کا تھام کے غازی نے استوار — زیں سے اٹھا کے خاک پہ پٹکا بصد وقار
ماری زمیں پہ گرتے ہی فی النار ہو گیا
سرمہ ہر استخوانِ جفا کار ہو گیا

کہنے لگے سپہر، شور ہوا رن میں واہ وا — عابدؑ نے سر اٹھا کے صدا دی کہ مرحبا
تسلیم کر کے فوج کی جانب جری چلا — پھر تیغِ شعلہ زا سے قیامت ہوئی بپا
مہتابیاں سی مہر پہ پھر چھوٹنے لگیں
پھر فوجِ بد کی رن میں صفیں ٹوٹنے لگیں

اس دار و گیر میں نہ رہی تن کی کچھ خبر — ناگہ سرِ جری پہ لگا گرزِ گاؤسر
تیورا گیا غلامِ شہنشاہِ بحر و بر — شمشیر ایک اور پڑی ہٹ گئی کمر
طاقت جواب دے گئی بیتاب ہو گیا
گر کر زمیں پہ ماہیِ بے آب ہو گیا

سجادؑ دیکھتے تھے یہ اس باوفا کا حال — آنسو بھر آئے آنکھوں میں صدمہ ہوا کمال
فضہ کو دی صدا کہ قدم آ کے تو سنبھال — گھوڑے سے گر پڑا ہے وہ ترکِ فرخصال
چلنے کی گو ہے تاب نہ طاقت کلام کی
لاؤں گا لاش اٹھا کے میں اپنے غلام کی

امداد کا یہ وقت ہے لاشک ولا کلام — اپنا یہی ہے کام غلاموں کے آئیں کام
یہ سن کے آئیں دوڑ کے بانوئے نیک نام — فرمایا تم کو ضعف ہے اے میرے لالہ نام
میں بھیجتی ہوں اکبرؑ عالی مقام کو
لے آئے گا اٹھا کے تمہارے غلام کو

ناگہہ قریب آن کے فضہ نے یہ کہا — قربانِ قدر دانی سلطانِ دوسرا
لینے گئے ہیں لاش کو خود باغم و بکا — ہیں ساتھ ساتھ اکبرؑ و عباسِؑ مہ لقا
گو تشنگی سے غیر بہت شہ کا حال ہے
پر اپنے خانہ زادوں کا کتنا خیال ہے

عابدؑ نے دی صدا کہ فدا ہیں امام پر — صدموں میں اُن کو گذری ہے یہ آج دوپہر
ہر اک کا لاشہ لائے ہیں سلطانِ بحر و بر — یہ ضعف اور یہ دھوپ قیامت کی الحذر
رعشہ عیاں ہے قامتِ تن کو اساس ہے
سوکھی زباں پہ کانٹے ہیں دو دن کی پیاس ہے

یہ کہہ کے آنکھ بند ہوئی غش سا آ گیا — واں لاشۂ غلام پہ پہنچے شہِ ہدا
دیکھا تڑپ رہا ہے زمیں پر وہ مہ لقا — تھالے ہیں خوں کے گردِ تنِ چاک جا بجا
آواز ہچکیوں کی بہت دور جاتی ہے
سینے میں گاہ آتی ہے گہ سانس آتی ہے

آنکھوں کو بند کرتا ہے گاہے وہ حق شناس — گہ چونک چونک کھولتا ہے اپنی چشمِ یاس
کثرت ہے گو کہ زخموں کی اور انتہا کی پیاس — پر تیوروں سے ہے نہیں پیدا ذرا ہراس
تن میں کسی طرح سے نہیں دم سماتا ہے
کھنچتی جو ہیں رگیں تو بدن تھرتھراتا ہے

فرمایا شہ نے تو مرا ناصر ہے اے جری — تیری خطائیں عفو ہوئیں ہو گیا بری
مداح تیرے آج ہیں جن و ملک پری — شاخِ امید فضلِ خدا سے ہوئی ہری
چومیں گے منہ رسولؐ ترا آج پیار سے
اب کم نہیں ہے اکبرؑ عالی وقار سے

جو آرزو ہو دل میں بیاں کر وہ مجھ سے اب — افسوس تیرے پیاس سے سوکھے ہوئے ہیں لب
کی عرض اس نے ہو گئی حاصل مرادِ سب — آئے ہیں میرے لینے کو مولا رسولِ رب

کیا خلق ہے کہ دور سے پھیلائے ہاتھ ہیں
شبر بھی اور شیرِ الٰہی بھی ساتھ ہیں

—٭—

maablib.org

از تصنیف

سید سندی سید ریاض الدین حسن صاحب ساکن قصبہ ...

مطلع

جب ذکر کربلائے معلا عیاں ہوا

بقلم ناصر قیصر غلام حسین ساکن ... ضلع مظفرنگر

بتاریخ ۲۰ مارچ ۱۹۱۱ء

مرثیہ نمبر ۳

جب دشتِ کربلائے معلّٰی جناں ہوا
رونق فزا خدیوِ زمین و زماں ہوا
میداں میں نصب خیمہ جنت نشاں ہوا
پیدا نہ فلک یہ نیا آسماں ہوا
پایا نہ تھا یہ اوج جو پہلے جہان میں
کرسی کا نور آکے ملا اس کی شان میں

ساماں ہوئے قیام کے جنگل میں چار سُو
صحرا تمام بس گیا، پھیلی گلوں کی بو
ساحل پہ آکے نمازیوں نے جب کئے وضو
دریائے نور موج پہ آیا کنارِ جو
دولت فرات کو یہ بصد جستجو ملی
پانی کے قطرے قطرے کو اک آبرو ملی

تعزیت کو حضور بھی آئے کنارِ نہر
کوثر پہ طعنہ زن ہوا عکس کروقارِ نہر
موجوں سے پر عیاں تھا یہی اضطرارِ نہر
صدقے میں جلتے ہر گھڑی آبدارِ نہر
اس پیچ و تاب سے میں نکلا در کنار ہوں
جا کر سرِ حسینؑ پہ کیوں کر نثار ہوں

مصروفِ بینِ بحر تھے سلطانِ ارجمند — ناگاہ سمتِ کوفہ سے طوفاں ہُوا بلند
وحشت کا طوق بن گئی گرداب کی کمند — ساحل کے ہونٹ سُوکھ گئے غم ہوا پسند
زنجیرِ موجِ آب ہوئی ٹوٹ ٹوٹ کے
رونے لگا حباب ہر اک پھوٹ پھوٹ کے

پانی پہ مچھلیاں ہوئیں بیتاب ہمدگر — ہوتیں وہ نوحہ گر بھی زبانیں نہ تھیں مگر
پانی ہوئے نہنگوں کے دل غم سے سربسر — سر اپنا پیٹنے لگے دریا کے جانور
اک تیرگی سی چھا گئی سارے جہان میں
دریا کا دُودِ آہ ملا آسمان میں

الیاسؑ کی فغاں سے تلاطم ہُوا بپا — تا چرخ پہنچی خضرؑ کی فریاد کی صدا
چلا رہے تھے نوحؑ نبی باغم و بکا — ڈوبے جو کائنات کی کشتی تو ہے بجا
قہرِ خدا اب آئے گا بیشک جلال پر
آغاز ہے جفا کا محمدؐ کی آل پر

اس سانحے سے ہوگیا ہر قلب پر اثر — روئے امامؑ واقفِ اسرارِ بحر و بر
کیا دیکھتے ہیں اتنے میں حضرت بچشمِ تر — دو ننھے ننھے لاشے بہے آتے ہیں ادھر
ظاہر میں کوئی ساتھ مگر نوحہ گر نہیں
صورت نبی کی ہے اور جسموں پہ سر نہیں

عریاں ہیں آفتاب سے وہ گورے گورے تن — پہنے ہوئے ہیں آبِ رواں کا مگر کفن
نازک تنوں کو بار تھے دنیا کے پیرہن — احساس سے درکنار ہیں وہ پھول سے بدن
پانی کا نقش زینتِ دنیا بناتے ہیں
خوشبو سے گُل کی طرح سبکدوش آتے ہیں

اک بیکسی برستی ہے دونوں پہ سر بسر — سایہ کیے پَروں کا ہیں صحرا کے جانور
بے جرم و بے گناہ جو ناحق کٹے ہیں سر — بالائے آب گھر ہیں، مگر ہیں لہو میں تر
آتے ہیں معجزہ لئے دریا بہانہ ہے
تابوت موج ہے تو فلک آشیانہ ہے

ہے ساتھ ساتھ مجمعِ اَرواحِ انبیاءؑ — داؤدؑ و دانیالؑ و سلیمانؑ با دعا
محبوبِ حقؐ، امام حسنؑ، شبّرِ کبریا — سَر اپنا پیٹتے ہیں ہوا پر جُدا جُدا
آواز صاف آتی ہے زہراؑ کے بین کی
ماتم کا غُل ہے دُھوم ہے اِک شور و شین کی

مُسلمؑ کی زوجہ کہتی ہے گھر ہو گیا تباہ — بے جرم ذبح ہو گئے فرزندِ رشکِ ماہ
جاتے ہیں جو بہے ہوئے پانی پہ مثلِ کاہ — دونوں ہیں میرے گوہرِ نایاب آہ آہ
بعدِ قضا بھی تازہ، مصیبت دکھائی ہے
لوٹا ہے ظالموں نے خدایا دُہائی ہے

جس وقت یہ مرقعِ ماتم پڑا نظر — پانی الم سے ہو گیا ہر اِک کا جگر
رو کر پکارے بھائی کو سلطانِ بحر و بر — عباسؑ دوڑو لاشوں کی بلّلہ لو خبر
آغوش میں اُٹھا کے، ہر اِک کو سنبھال لو
دونوں کو مثلِ گوہرِ بہتا نکال لو

کانوں میں جب یہ حکمِ شہِ بحر و بر گیا — سقّہ حرم کا پانی کے اندر اُتر گیا
پانی جری سے، نہر کا گرداں پہ سر گیا — اِک تازہ رنج قلب پہ تاثیر کر گیا
رشتے شکیب و صبر کے یکبار کٹ گئے
سینے سے آپ اُن کے لاشے لپٹ گئے

دونوں کو لے کے گود میں عباسؑ باوفا — ساحل پہ لائے پیشِ شہنشاہِ کربلا
آغوش میں امامِ دو عالم نے لے لیا — بوسے کئے گلوں کے تئیں اور یہ کہا
بس اب کنارہ کش ہُوا دل اپنا چین سے
کٹوا کے سر ملے مرے پیارو حسینؑ سے

روتے تھے لاشے دیکھ کے انصارِ باوفا — بیتاب تھے عزیزِ شہنشاہِ دوسرا
دامن سے اشک پونچھ کے عباسؑ نے کہا — بوئے قرابت آتی ہے ان سے شہِ ہُدا
بے سر ہیں گو، تنوں سے عیاں حق کے نور ہیں
یہ کون سے یتیموں کے لاشے حضور ہیں

بولا بہا کے اشک یہ زہراؑ کا آفتاب — بتلاؤں کیا کہ پہلو میں دل کو نہیں ہے تاب
پوچھو تم ان سے اے جگر و جانِ بوترابؑ — بحکمِ خدا اے آپ یہ دیں گے تمھیں جواب
بچے ہیں، ماہ رو ہیں، سعید و رشید ہیں
جانِ تنِ حسینؑ یہ دونوں شہید ہیں

فرما رہا تھا یہ، جگرِ ختمِ مرسلیں — ناگاہ کانپ کانپ کے اجسامِ نازنیں
بولے کہ السلام علیک اے ہژبرِ دیں — افسوس بھانجوں کو بھی پہچانتے نہیں
اُمتِ نبیؐ کی، بندۂ ربِ جلیل ہیں
ہم دونوں نورِ دیدۂ ابنِ عقیلؑ ہیں

کوفے میں ان غلاموں نے صدمے بہت اٹھائے — ماموں طمانچے حارثِ ملعون کے ہم نے کھائے
خواہاں ہمارے سر کا جو حاکم تھا ہائے ہائے — ممکن نہ تھا کہ ڈر سے کوئی اپنے گھر چھپائے
بے جرم ہم کو اہلِ ستم جب ستاتے تھے
ان خادموں کو آپ بہت یاد آتے تھے

بابا سے ایسے وقت ہوئے دونوں ہم جدا — اُن کا ہمیں نہ اپنا اُنھیں پھر لگا پتا
کب وہ شہید ہو گئے، ہم پر نہ کچھ کھلا — ہم جائے امن ڈھونڈتے پھرتے تھے جا بجا
حسرت اگر انیس تھی، ماتم رفیق تھا
پردیس میں کوئی نہ ہمارا شفیق تھا

ہر ایک وقت موردِ رنج و بلا رہے — محبس میں دونوں بھائی اسیرِ جفا رہے
پیاسے رہے برہنہ رہے بے غذا رہے — بستر بنے خاک، رنج میں ہم مبتلا رہے
جسموں پہ بھی غبار مصیبت کے چڑھ گئے
کپڑے تمام پھٹ گئے اور بال بڑھ گئے

چھوٹے جو قید سے تو مصیبت سوا ہوئی — جانوں کے لالے پڑ گئے آفت بپا ہوئی
قاضی کے التفات سے تسکین ذرا ہوئی — نکلے جو اس کے گھر سے قضا رہنما ہوئی
آنکھوں سے اشک رنج و مصیبت کے بہہ گئے
ہم دونوں کارواں سے جدا ہو کے رہ گئے

آخر سرورِ دل یہ ہوا اس کو ملا — قاتل کے گھر پہ پڑ کے ہمیں لے گئی قضا
جلاد قتل کے لیے جب ہم کو لے چلا — ہم نے کہا کہ ہم ہیں اسے دُرِّ بے بہا
کچھ ذبح کرنے سے نہ تجھے ہاتھ آئے گا
تو بیچ دے ہمیں کہ بہت مال پائے گا

ہم رشتہ دارِ حیدرِ صفدر ہیں اے شقی — کر رحم، ہم عزیزِ پیمبرؐ ہیں اے شقی
ہم اقربائے حضرتِ شبیرؑ ہیں اے شقی — مظلوم ہیں غریب ہیں بے پر ہیں اے شقی
بُستانِ مصطفےٰ کے گُلِ انتخاب ہیں
ہمشیر زادۂ خلفِ بوتراب ہیں

ہرگز سُنی نہ ایک بھی ظالم نے التجا — کُرتے اُتار کر ہمیں عُریاں کر دیا
پٹی نہ باندھی آنکھوں پہ بھی وامصیبتا — دونوں کے سر جُدا کئے اُس نے جدا جدا
سر رہ گئے زبان کو اپنی نکال کر
جلاد چل دیا ہمیں دریا میں ڈال کر

جب اس طرف کو بحر میں بہتے ہوئے چلے — اُوپر فلک تو پانی کی چادر ہوئی تلے
موجوں پہ آئے آپ کے آغوش کے پلے — دھڑکا تھا یہ تمنوں کو کہ کوئی پکڑ نہ لے
بالکے اب آتے ہیں ہم دونوں دُور سے
لکھا تھا یوں نصیب میں ملنا حضور سے

اِس داستانِ غم سے قیامت ہوئی بپا — سر اپنا پیٹنے لگے انصار واقربا
باقی جو دو تھے مسلمِ بیکس کے دلربا — سینوں کو پیٹ پیٹ کے کرنے لگے بکا
کہتے تھے ہائے صدمۂ تازہ گزر گئے
بابا بھی قتل ہو گئے بھائی بھی مر گئے

پہنچی خیامِ شہ میں جو یہ جاں گزا خبر — سر پیٹنے لگے حرمِ سیدالبشر
چلاتی تھی یہ زوجۂ مسلمؑ برہنہ سر — لوگو دکھاؤ مجھ کو بھی لاشے لہو میں تر
بھتیا کہیں نہ زیست کا نقشہ بگاڑ دیں
مجھ سے چھپا کے لاشے نہ جنگل میں گاڑ دیں

دم بھر کو دیکھ لوں تنِ بے سر میں سوگوار — سر پیٹ لوں کہ دل کا نکل جائے کچھ بخار
اتنے میں لائے لاشوں کو سلطانِ نامدار — بچوں کے غُل سے ہو گیا اک حشر آشکار
گردوں نے تازہ طورِ قیامت دکھا دیا
مسند پہ شہ نے لاشوں کو اک جا لٹا دیا

چلاتی ماں کہ آئے مسافر سفر سے آہ — پردیسیوں کو بھائی بھتیجے، تری ہی راہ
بیوہ کو لاڈلو کیا پردیس میں تباہ — افسوس حلق کٹ گئے دونوں کے بے گناہ
بولو خدا کے واسطے کچھ مستہام سے
سنتی ہوں باتیں کی تھیں ابھی کچھ امام سے

حالِ سفر خدا کے لئے کچھ بیاں کرو — دائی سے کوئی راز نہ واری نہاں کرو
کیا کیا اٹھائیں آفتیں مجھ پر عیاں کرو — اچھا، نہ کچھ کہو، یہی کہہ دو فغاں کرو
چپ ہوں، فقط ہیں آنکھوں سے آنسو نکل پڑے
ڈرتی ہوں نیند میں نہ تمہاری خلل پڑے

میں یہ سمجھ کے آئی تھی بھائی کے ساتھ آہ — پاؤں گی جلد کوفے میں فرزندِ رشکِ ماہ
کیا جانتی تھی چرخ کرے گا مجھے تباہ — اس شکل سے میں پاؤں گی تم کو میانِ راہ
وارث کے واسطے ابھی رونا نصیب تھا
افسوس ہے تمہارا ابھی ماتم قریب تھا

بلوا لو اپنے پاس یہ دائی نثار ہو — لاشوں سے تا کہ قبر میں زیبِ کنار ہو
نہ رنج ہو نہ فکر نہ کچھ انتشار ہو — پہلو میں تم رہو، مرے دل کو قرار ہو
کوئی اٹھائے مجھ کو، نہ پھر حشر تک اٹھوں
بے سر یہ جسم لے کے قیامت کے دن اٹھوں

یہ کہتے کہتے غش ہوئی آخر وہ سوگوار — لاشے اٹھا کے لے گئے سلطانِ نامدار
صحرا میں دفن کر کے بنائے نئے مزار — فرمایا آہ کھینچ کے، کیوں چرخ بے مدار
ہم بعدِ مرگ بھی یہ مصیبت اٹھائیں گے
تا اربعین گور و کفن کچھ نہ پائیں گے

ماتم میں تھے اِدھر تو شہِ آسماں پناہ — آ آ کے جمع ہونے لگی اُس طرف سپاہ
دریا سے خیمے اُٹھ گئے صحرا میں آئے شاہ — مسلمؑ کے لاڈلوں کا سُوم بھی ہوا نہ آہ
آفت نئی تھی روزِ شہِ مشرقین پر
پھولوں میں اُن کے بند تھا پانی حسینؑ پر

آفت میں شاہِ دیں پہ گزرتے تھے روز و شب — کرتے تھے ظلم آلِ پیمبرؐ پہ بے ادب
پانی جو مانگتے تھے شہنشاہِ تشنہ لب — بیعت امامِ عصر سے کرتے تھے وہ طلب
زہراؑ کی آہ و زاری کی آواز آتی تھی
کچھ شکل آشتی کی ٹھہرنے نہ پاتی تھی

آمادۂ فساد، ستم کو تھے، اہلِ شر — منت سے بادشاہِ زمن نے کہا مگر
ہر چند تیرا سخت ہے پتھر سے بھی جگر — مہلت دے ایک رات کی لیکن ہمیں عمرؔ
جو کچھ کہ دل میں سوچا ہے وہ کل ہی کیجیو
پیاسے گلے پہ تیغِ ستم پھیر دیجیو

کیوں آج ہی ستاتا ہے سفاک تو ہمیں — ہرگز نہیں فرار کی واللہ خو ہمیں
راہِ رضا و صبر کی ہے جستجو ہمیں — ہے طاعتِ خدا کی فقط آرزو ہمیں
کل زندگی تمام ہے ہر دلِ فگار کی
اک رات اور یاد کریں کردگار کی

آمادہ عذرِ مہلتِ شب پر تھا روسیاہ — کہنے لگے بگڑ کے مگر افسرِ سپاہ
لختِ دلِ رسولؐ نے کیا ہے ایسا کیا گناہ — مہلت جو رات بھر کی بھی ملتی نہیں ہے آہ
اس درجہ تو عناد ہے شہِ مشرقین کا
اک شب بھی ناگوار ہے جینا حسینؑ کا

سر کو جھکا کے کہنے لگا دشمنِ رسولؐ — کہہ دو کہ ایک شب کی ہے مہلت ہمیں قبول
یہ سن کے سوئے خیمہ پھرا دلبرِ بتولؑ — واں اپنی چھاؤنی میں گیا لشکرِ جہول
دم بھر کیا نہ چین شہِ مشرقین نے
کاٹی وہ رات طاعتِ حق میں حسینؑ نے

جس دم بچھا سپہر پہ سجادۂ سحر — نکلا فلک پہ زاہدِ دلدادۂ سحر
سلطانِ خاوری ہوا آمادۂ سحر — اک بار صاف ہو گیا ہر جادۂ سحر
واللیل پڑھ کے بند قمر کی زباں ہوئی
گلدستۂ ریاضِ نبیؐ میں اذاں ہوئی

پڑھ کر نماز غازیوں نے باندھ لی کمر — رن کو چلے ہتھیلیوں پہ رکھ کے اپنے سر
آ گئے، کفن پہن کے سوئے شاہِ بحر و بر — سب کے رخوں سے بڑھ گیا نورِ دمِ سحر
اس دن فروغِ روز، فزوں سربسر ہوا
دو نور مل کے وقتِ سحر دوپہر ہوا

قربانِ اوجِ منزلتِ لشکرِ خدا — چن چن کے ساتھ لائے تھے شبیرؑ باوفا
سب مستعدِ جہاد، یہ آمادۂ غزا — مشتاقِ خلد، عاشقِ سلطانِ دوسرا
اس فوج سے شمار میں، گو یہ قلیل تھے
لیکن ہر اک جری کے مراتب جلیل تھے

ابنِ علیؑ، کو لئے رسولِ خدا لیے — انصار ساتھ، تیغوں کو اپنی علم کیے
دولھا بنے، عروسِ شہادت پہ جاں دیے — راہِ رضا و صبر میں، مر مر کے وہ جیے
کوٹے کو فرقِ شاہ کے ہمراہ سر گئے
نام نبرد کر کے امامت میں مر گئے

لڑکے، مثالِ عقدِ ثریّا تھے اک طرف   مہرِ رخ جن کے رشکِ ماہ تھے اخفائے کلف
بھالے سنبھالے، تیغچے تابندہ زیبِ کف   نعرہ، کہ یا علیؑ ولی، یا شہِ نجف
عمریں قلیل، کاندھوں پہ زلفیں پڑی ہوئیں
کمنی تک آستینیں سبھوں کی چڑھی ہوئیں

سب سے سوا تھے غیظ میں مسلمؑ کے لالہ فام   کہتے تھے دیکھ دیکھ کے یہ قبضۂ حسام
وہ دن ہے آج، جس کی تمنا تھی صبح و شام   بابا کا اور بھائیوں کا لیں گے انتقام
عملو جو حسرتیں ہیں وہ دل سے نکالیں گے
میدان میں صفیں کی صفیں روند ڈالیں گے

یہ غنچے ساتھ رہے کہ یدُ اللہ کا حبیب   پہنچا صفِ جنودِ جفا کیش کے قریب
واں مستعد تھی ظلم پہ فوجِ سقر نصیب   برسائے تیر پیاسوں پہ، زخمی ہوئے غریب
کفار، رخنہ سازِ شریعت کے بن گئے
سینے، نبیؐ کے لال کے لشکر کے چھن گئے

سبقت میں ظالموں کی رہا جب نہ اشتباہ   انصار لے کے اذن، گئے سوئے رزم گاہ
لڑ لڑ کے قتل ہو گئے جس دم وہ رشکِ ماہ   سلطانِ کائنات کا لشکر ہوا تباہ
اسوار بھی، پیادے بھی سب مر کے رہ گئے
باقی عزیزِ سبطِ پیمبرؐ کے رہ گئے

مسلمؑ کے لاڈلوں نے غرض دیکھ کر یہ رنگ   گھوڑوں کے اپنے چست کیے تنگ و زیر تنگ
آ کر حضورِ سرورِ ذی جاہ بیدرنگ   کی عرض دیجئے ہمیں لِلّٰہ اذنِ جنگ
تا شام خوں بہائیں رئیسانِ شام کا
موقع ہے آج خوب شہا انتقام کا

روحیں تنوں میں مُجبلِ محبوس آج ہیں — جانیں بدن میں رہنے سے مایوس آج ہیں
منزل طبیعتیں پئے افسوس آج ہیں — دارِ بقا سے خاطریں مانوس آج ہیں
دُنیا سے جلد اپنا کہیں انتقال ہو
تسکین ہو بھائیوں کا جو حاصل وصال ہو

جب سے کیا ہے قصدِ وغا ہم نے اے ولی — اَسرار جو خفی تھے وہ سب ہو گئے جلی
ہم دیکھتے ہیں باغِ جناں کی کلی کلی — فردوس سے پکارتے ہیں ہمیں علیؑ
بابا کے اور نانا کے ہاتھوں میں ہاتھ ہیں
دونوں ہمارے بھائی بھی حضرت کے ساتھ ہیں

فرمایا شہ نے، ماں سے بھی پوچھ آئے یا نہیں — وہ راضی مرنے پہ تھے اس امید سے کہیں
کی عرض، اُن کا حکم یہ ہے اے امامِ دیں — جب آئیں فوجِ شاہ پہ اعدا سے تیرِ کیں
تم پہلے عزم جانبِ میدان کیجیو،
سر اپنے میرے بھائی پہ قربان کیجیو

فرمائی بھتیں کہ جمع ہے اُس قوم کی سپاہ — جس نے تمہارے قتل کئے بھائی بے گناہ
ہوگا ملالِ خیر مراجب، خدا گواہ — ان نیچوں سے ہوں گے اگر ذبح روسیاہ
اُن کو دلیر کہتا ہے عالم خدائی میں
جو اپنے دشمنوں سے عوض لیں لڑائی میں

کھٹکا عتاب کا ہے ہمیں یا شہِ عرب — یعنی شہید ہو چکے انصار سب کے سب
بے تک نہ فوج سے ہوئے فدوی وغا طلب — وہ کہتی ہوں گی دل میں، تامل کا کیا سبب
جو جو جری تھے رن کے لعینوں سے مر گئے
شاید اجل سے نورِ نظر میرے ڈر گئے

رونے لگے یہ کہہ کے جو مسلمؑ کے رشکِ ماہ ‏ لپٹا کے لی چھاتی سے کہنے لگے یہ شاہ
ہے سخت ناگوار تمہارا فراق آہ ‏ پر خیر مرنے جاؤ جو کچھ مرضیِ الٰہ
تھوڑا سا فرق یاں سے ہے دارالسلام تک
پہنچیں گے ہم بھی منزلِ مقصد پہ شام تک

پایا جو اذنِ جنگ ہوئے خوش وہ مہ جبیں ‏ تسلیم کر کے آئے علمدار کے قریں
کی عرض اے ہژبرِ جنودِ امامِ دیں ‏ جاتے ہیں ہم وغا کے لیے سوئے فوجِ کیں
اذنِ جہاد قبلہ و کعبہ سے پا چکے
دیں آپ بھی رضا کہ بہت غم اٹھا چکے

دونوں کو پیار کر کے علمدار نے کہا ‏ بہتر ہے جاؤ مرنے کو شاباش مرحبا
وہ بولے ایک اور بھی ہے التجا ‏ اماں سے چل کے کہیے کہ وہ بخش دیں خطا
ہوگا جلال، دخترِ شیرِ خدا ہیں وہ
مرنے میں دیر ہو گئی شاید خفا ہیں وہ

ہم آپ کے غلام ہیں اے ضیغمِ عرب ‏ جاتے ہیں سلسبیل پہ دریا سے تشنہ لب
کہہ دیں گے گر حضور تو یہ بھی نہیں عجب ‏ شیر اپنا اماں جان ہمیں بخش دیویں اب
صدقے سے آپ کے نہ گنہگار جائیں گے
جوں بوئے گل جہاں سے سبک بار جائیں گے

یہ سن کے آئے خیمے میں عباسؑ نامدار ‏ ہمراہ مثلِ سایہ تھے یہ دونوں گلعذار
دیکھا تو واقعی ہے بہن غم سے بیقرار ‏ زانو پہ ہاتھ مار کے کہتی تھی بار بار
کیا قہر ہو گیا کہ حمیت کو کھو دیا
بیٹوں نے رانڈ ماں کو جہاں میں ڈبو دیا

تھرا گئے یہ سنتے ہی مسلمؑ کے دونوں لال — بھائی سے بھائیؑ نے کہا سنتے ہو یہ کلام
عباسؑ بولے خیر ہے اے عرشِ احتشام — ایسا ہی گر الم ہے تو ہو جاؤ گی تمام
انساں کو اپنے دل پہ ذرا جبر چاہیے
مشکل کشاؑ کی بیٹیوں کو صبر چاہیے

رونے میں سن کے حضرتِ عباسؑ کی صدا — اٹھ کر گری قدم پہ اخی کے وہ باوفا
کی عرض بھائی جان بہن آپ کے فدا — ان بھانجوں سے آپ کے یہ رانڈ ہے خفا
صدمے کمال آج بہن نے اٹھائے ہیں
کس واسطے حضور! انہیں ساتھ لائے ہیں

کہہ دیجیے کہ جائیں وطن کو یہ لالہ فام — مرنے سے گر یہ ڈرتے ہیں یاں کیا ہے کلام
ظاہر ہے سب پہ فوجِ حسینیؑ ہوئی تمام — باقی ہیں اقربائے شہنشاہِ تشنہ کام
وہ سب بھی خواستگارِ رضائے امامؑ ہیں
ان کو برابری نہیں زیبا، غلام ہیں

فرمائیے یہ فکر ہے بیجا کہ ہے بجا — گر ان سے پہلے عونؑ و محمدؑ نے لی رضا
چرچا یہی رہے گا زمانے میں پھر سدا — دو بھانجے سگے تھے، ہوئے شہ پہ وہ فدا
مسلمؑ کے لاڈلے نہ لڑے بھوک پیاس میں
اپنے ہی کام آتے ہیں اندوہ و یاس میں

ان سے تو مرنے والے ہی اچھے تھے لاکلام — سر دے کے باغِ خلد میں پہنچے وہ لالہ فام
سکھلائے تھے انہیں ہنرِ نیزہ و حسام — محنت حضور کی وہ ملی خاک میں تمام
کیا جانئے یہ جیتے ہیں کس انتظار میں
ظاہر کیا نہ کوئی ہنر کارزار میں

رونے لگے یہ سن کے علمدارِ ذی حشم　　لپٹا لیا گلے سے بہن کو بچشمِ نم
فرمایا تم کو سیدِ ابرار کی قسم　　جانے دو بس یہ غیظ کہ ہوتا ہے اب الم
کیا موت سے ڈریں گے یہ شیروں کے شیر ہیں
دونوں پسر تمہارے نہایت دلیر ہیں

ہے معرکہ یہ قہر کا مقتل ہے آج رن　　لاشے پہ لاشہ گرتا ہے پُرخوں ہوا ہے بن
کس کس کو دیں رضا شہِ غمخوارِ بے وطن　　فرصت نہیں امامِ دو عالم کو اے بہن
ہر چند منع کرتا ہوں پر خود ہی جاتے ہیں
لاشہ ہر اک شہید کا میداں سے لاتے ہیں

موقع ملا نہ عرض کا مجبور تھے یہ آہ　　شاہد ہوں میں کہ لال تمہارے ہیں بے گناہ
لائے ہیں اب یہ اذنِ وغا دونوں رشکِ ماہ　　رخصت کرو کہ خلد کی ہو جائے سہل راہ
تم ماں ہو اور یہ بیٹے ہیں تقصیر بخش دو
ہمشیر میرے کہنے سے تم شیر بخش دو

یہ سن کے ہو گئی وہ محبت سے بے قرار　　لپٹا لیا کلیجے سے دونوں کو ایک بار
بولی کہ اب ملال نہیں مجھ کو زینہار　　لو جاؤ سر کٹانے کو اماں ہوئی نثار
آفت زدہ کی باتوں پہ میلے نہ دل کرو
جو کچھ کہا ہو غیظ میں واری بحل کرو

روؤں نہ پھوٹ پھوٹ کے میں شرمسار ہوں　　قربان کیا تھا دودھ میں خود بھی نثار ہوں
کنبے میں آبرو کی فقط خواستگار ہوں　　سمجھو نہ والدہ مجھے خدمت گزار ہوں
پوتے ہو تم عقیلؑ کے ذی احترام ہو
اب فدیۂ حسین علیہ السلام ہو

تسلیم کر کے ماں کو گلِ گلشنِ عقیلؑ　　نکلے حرم سرا سے بصد رتبۂ جلیل
حاضر تھے در پہ خیمے کے دو توسنِ جمیل　　چڑھ کر ہوئے سوار ملی خلد کی سبیل
ہر حور جھانکنے لگی دارالسلام سے
ماں تک کے رہ گئی انہیں بابِ خیام سے

میدان کو رواں ہوئے دو ضیغمِ نبرد　　پہنچی دماغِ عرش پہ اٹھ کر زمیں سے گرد
دونوں فرس جریدۂ تیزی میں تھے جو فرد　　صرصر تو سرسری ہوئی آن سے نسیم سرد
سرعت کی تھی یہ کیفیت جہاں تک نظر گئی
بن کر بگولے تند بگولا ٹھہر گئی

اقبال رہنما تھا، جلالت جلو میں تھی　　تھامے لوائے نور کو رفعت جلو میں تھی
دامن اٹھائے شان سے شوکت جلو میں تھی　　محضر رکھے کمر میں شہادت جلو میں تھی
دل کانپتے تھے سن کے یہ غل جبرئیلؑ کے
رن پر چڑھے ہیں غیظ میں پوتے عقیلؑ کے

برہم ہوئے پرے، تہ و بالا صفیں ہوئیں　　گھبرا کے ابتری کا رسالا، صفیں ہوئیں
دہشت کے منہ کا صاف نوالا صفیں ہوئیں　　پہنچے یہ ماہتاب تو ہالا صفیں ہوئیں
گھوڑوں کو روکا، گردنوں پر ہاتھ پھیر کے
چاروں طرف کھڑے ہوئے سفاک گھیر کے

تکتے ہی تھے عدو کہ دلیروں نے دی صدا　　ہم ہیں یتیمِ مسلمؑ مظلوم و باوفا
رتبے بلند رکھتے ہیں فی الارض والسما　　دادا عقیلؑ، بھائی شہیدِ رہِ خدا
سبطینِ حضرتِ شہِ بدر و حنین ہیں
عباسؑ ماموں جان ہیں آقا حسینؑ ہیں

جرأت ہمارے باپ کی سب پہ ہے جلی — پُرخوں بنی تھی کوفے کی ہر اک گلی گلی
سنتے ہیں، اُن سے شہر میں تلوار جب چلی — ہر گھر میں پڑ گئی تھی قیامت کی کھلبلی

لرزہ تھا بحر و بر میں، تزلزل پہاڑ میں
نامرد چھپ گئے تھے پہاڑوں کی آڑ میں

ہم بھی ہیں شیرِ بیشۂ جرأت بفضلِ رب — ڈر جو سے کم ہے آنکھوں میں ہیچ ہے یہ فوج سب
انساں تو کیا ہے، دیو بھی گر ہو وغا طلب — ہرگز ہٹیں نہ اپنے قدم، رزم گہ سے اب

ہم آبرو پہ مرتے ہیں گو بھوکے پیاسے ہیں
جس نے جنوں کو مارا ہے اُسکے نواسے ہیں

ناکام گو ہیں، خلق میں خالق سے کام ہے — اِن نیمچوں کا ایک قضا کا بھی نام ہے
جنت ہمارے گھر سے فقط چند گام ہے — گلگشت کے لئے ہمیں دارالسلام ہے

دُنیا کا چھوڑنا ہمیں ادنیٰ سی بات ہے
ہیچ بھی تو ہے یہ کون بڑی کائنات ہے

ظاہر ہے ہم میں تم میں، زمیں آسماں کا فرق — معصوم ہم ازل سے ہیں، تم معصیت میں غرق
بیکار، ظاہری ہے تمہاری یہ برق زرق — گرتی ہے کوئی دم میں تمہارے سروں پہ برق

سب تابعِ یزید جہنم مقام ہیں
ہم ناصرِ حسینؑ علیہ السلام ہیں

ہرگز حذر نہیں تمہیں اس فکرِ خام سے — قاتل رسولؐ کے ہو، پھرے ہو امام سے
محشر میں کیا کہو گے رسولِ انامؐ سے — یہ دشمنی حسینؑ علیہ السلام سے

قائل ہو دل میں ساقیٔ کوثرؑ کے واسطے
پانی کا امتناع ہے سرورؑ کے واسطے

جرأت سے اپنی، رستم و دستاں بھی زال ہے — قہار کے غضب کا نمونہ جلال ہے
مجبور ہیں پہ شہ کو تمہارا خیال ہے — واللہ! ورنہ کیا یہ تمہاری مجال ہے
ان تیغوں سے، فوج کے چہرے بگاڑ دیں
جھنڈے علیؑ کے نام کے دریا پہ گاڑ دیں

کوثر ہے اپنے قبضے میں، یہ نہر کیا ہے مال — مثلِ حباب ہوتا ہے، دنیا کا مال، مال
ہو پیاس کا الم ہمیں یا بھوک کا ملال — رہتا ہے آبرو کا ہمیشہ مگر خیال
فرحت نہیں کہ زیست کا بیکار اوج ہے
اپنی حیات و مرگ، فقط دل کی موج ہے

ہم وہ ہیں گر نبرد کا ہم کو خیال ہو — گردوں سپر ہو اپنی، سروہی ہلال ہو
آئے شہاب، نیزے کی گر دیکھ بھال ہو — مریخ ایک نیمچۂ بے مثال ہو
مہ حکمِ زرفشاں ہو بادِ بہاری کے واسطے
رفرف فلک سے آئے سواری کے واسطے

اب دیکھ لوگے ہاتھوں کی اپنے صفائیاں — سیفِ خدا نے ہم کو بتائی ہیں گھاتیاں
بچے ہزبر کے ہیں، قوی ہیں کلائیاں — اک کھیل جانتے ہیں ہم ایسی لڑائیاں
یک جو رنگ صاف توسن و اسوار ہم کریں
آنکھیں بھی بند کر کے اگر وار ہم کریں

حیرت ہے کیا کھڑے ہو جو خاموش چار سو — لو امتحاں دلوں کے اٹھے شورِ اقتلو
ہوں سرخرو شہید، برسنے لگے لہو — نامرد اس قدر کہ نہیں پاسِ آبرو
کیا ڈر ہے؟ ڈوبے تیغوں کے کیوں کھولتے نہیں
ہم سر پہ گونجتے ہیں، کھڑے بولتے نہیں

یہ کہہ کے جھومنے لگے، مانندِ شیرِ نر — ناگاہ تیر آئے، بڑھی فوجِ اہلِ شر
ناوک کشی عباؤں سے جب کر گئے گزر — آمادۂ نبرد ہوئے دونوں نامور
شانِ علیؑ کے قصد میں تصویریں کھینچ لیں
دونوں نے پڑھ کے فاتحہ شمشیریں کھینچ لیں

جھپٹے ہزبرِ دشتِ وفا، صید کے لئے — نام ان کے زندہ رہ گئے جاوید کے لئے
تیغوں نے دم، جنود بڑا زکید کے لئے — پھینکیں کمندیں ظالموں نے قید کے لئے
بے جرم پھانسنے پہ جفا جو، جو تل گئے
ڈوروں سے نیمچوں کے، وہ سب عقب کھل گئے

چلنے لگے وہ نیمچے جب چھوڑ کر غلاف — بے بیم، پیشِ چشم ہوا، عرصۂ مصاف
تھالوں پہ خوں کے ہونے لگا یہ گماں صاف — قہرِ قدیر کے ہیں عیاں نقطہ ہائے صاف
مرکز کا حذف حق نے کیا، کن کے کاف تک
ایک زلزلہ نمود ہوا کوہِ قاف تک

دو بجلیاں قضا کی یہ چمکیں جو ایک بار — بارش ہوئی سروں کی سرِ دست آشکار
لشکر کا کھیت ہو گیا اللہ سے کار زار — میدانِ گیرودار بنا خوں سے لالہ زار
دنیا میں اہلِ شام کی کھیتی لہو ہوئی
آخر کو آخرت کی زراعت نمو ہوئی

اہلِ زباں میں تیز زبانی کا غل ہوا — زردشتیوں میں شعلہ فشانی کا غل ہوا
دریا کے پاسبانوں میں پانی کا غل ہوا — ہر سمت گھاٹ باڑھ، روانی کا غل ہوا
چوٹوں سے ان کی کونسی بھیر گھاٹیاں بچیں
دریا کی تہہ پہ جا کے مگر ماہیاں بچیں

کھلائی فوجِ شام کے بادل میں برق وزرق — رخشاں جدا جدا تھی ہر اک صف میں ایک تق
سرہائے سیکڑوں پہ پڑی جس میں ہوا نہ فرق — اعدا گلے گلے ہوئے دریائے خوں میں غرق
غُل تھا کہ کوئی آن میں کثرت تمام ہے
ڈوبی ہے بھر کے ناؤ، یہ مشہورِ عام ہے

یہ تیغچے تھے جوہرِ ذاتی میں لاجواب — دم میں دو نیم ہو گئی ہر فردِ انتخاب
وہ باڑھ بے پناہ، وہ قبضوں کی آب و تاب — بے آب جن سے خنجرِ بیضائے آفتاب
جوہر عیاں تھے حسن کے ہر اک کی شان سے
نادِ علیؑ کھدی ہوئی تھی آن بان سے

موجد تھا آئینے کا سکندر، ہر آئینہ — بے سود وقتِ مرگ تھا اس کو پر آئینہ
بنوا تا اِن کے لوہے سے اپنا اگر آئینہ — ہوتا اس آئینے سے کہیں بہتر آئینہ
رکھتا تعلقات نہ پھر کائنات میں
صورت قضا کی دیکھتا، شکلِ حیات میں

فوجِ جفا سے آگے جو بڑھا کر کوئی لعین — ان تیغچوں سے گھٹ گیا، ہو کر وہیں دو نیم
اُس دھوپ میں عیاں تھی عجب قدرتِ کریم — ان کی ہوا بنی تھی گلِ زخم کو نسیم
پھیل باغیوں کو باغِ ضلالت کا مل گیا
جنگل میں کھیت زخم کے پھولوں کا کھل گیا

سبطینِ مرتضیٰ کی نہ ہے تیز دستیاں — لشکر کے سربلندوں کو دکھلائیں پستیاں
اِک دم میں خاک ہو گئیں اعدا کی ہستیاں — ہر سو اُجاڑ بن گئیں فوجوں کی بستیاں
گوشوں میں مر کے چھپ گئی دہشت ممات بھی
رستہ عدم کا ڈھونڈتے تھے ذی حیات بھی

اِک شور تھا کہ زیست کا آخر زمانہ ہے　　جلتے ہیں، نیچوں کی زباں میں زبانہ ہے
کثرت وہ فوج کی ہے، نہ وہ کارخانہ ہے　　لو حشر آ گیا، یہ لڑائی بہانہ ہے
اقرارِ لاشریک نہ کرنا فتور ہے
وحدت یہی ہے، شرک سے توبہ ضرور ہے

کیا نیچے ہیں، جن سے ہر اک نیم جاں ہُوا　　پیدا نیا، قدم کے جہاں میں جہاں ہوا
گھر سے اُڑ گئے ڈھالوں کے، ظاہر دھواں ہُوا　　میدان، ناریوں کو، جہنم نشاں ہُوا
ملنے کو بیکسی، آتشِ دوزخ جو نار میں
آفت کی آ پہنچ آنے لگی کارزار میں

وہ نیچوں کی تیزیاں، وہ تازیوں کی جست　　وہ حُسن سے دلیروں کی ملائے زیں نشست
حیراں تھے یاد پاؤں سے ہر سُو تھا پست　　تھے فکر میں جھکے، قدر انداز تیز دست
چالاکیوں کو دیکھ کے مایوس ہوتے تھے
وہ بادپا، نظر میں نہ محسوس ہوتے تھے

تازی ہو تازیوں کی صفت ہے یہی خیال　　لیکن سمندِ طبع کو بھولی ہوئی ہے چال
بجلی، نسیم، نکہتِ دوشی، بوئے گل، غزال　　ان میں سے جس کو دیکھئے، کہنہ ہے وہ مثال
اِن میں تو تیزیوں کی نئی کچھ سبیل ہے
وہ قصہ، یہ ہوائے پرِ جبرئیل ہے

خم گردنوں کے حُسنِ خداداد کے مِثال　　کھنچے کنوتیوں کے، گُلِ گلشنِ جمال
مُنہ چھوٹے، حباب نور، کمر تنگ و بے مثال　　سُم رشکِ آفتاب ہیں، اور نعل ہیں ہلال
انوار پتلیوں میں مہ آبدار کے
اسوار، نورِ چشم ہیں دُلدُل سوار کے

کس طرح معرکہ نہ ہو میدانِ رستخیز چالاک اسپ تیغیں کچھ برق سے بھی تیز
برہم تمام ہو گیا ہنگامۂ ستیز لشکر کے پہلوانوں نے کی جنگ سے گریز
رایت کے دامنوں میں نشانِ سپہ چھپے
گوشوں میں مارے ڈر کے کماندار چھپ گئے

ٹھہرے جری بھی دیکھ کے لشکر کو پائمال رکنا تھا بس کہ پیاس کی شدت ہوئی کمال
ضعف آ گیا دلیروں کو جی ہو گیا نڈھال نیچے تھے دونوں تھک گئے تھے بہت ہی جدال
پہنچے وہ رزم سے شکست، سر دستہ ہو گئے
پنجوں میں قبضے تیغوں کے پیوست ہو گئے

ماں دیکھتی تھی خیمے کی ڈیوڑھی سے سنبھال چلّائی کیوں رکے مرے پیارو دمِ جدال
کیا ہو گئے تھک گئے جی ہو گیا نڈھال حملے کرو کہ جمع ہوئی فوجِ بد خصال
وقتِ وغا دلیروں کو لازم ہے کد کریں
پیارو تمہاری ساقیِ کوثر مدد کریں

گر شدتِ عطش ہے تو کوثر نہیں ہے دور ساغر لیے کھڑی ہوئی ہوں گی کوئی حور
ہمت بندھی رہے یہ مناسب ہے پر ضرور طرزِ وغا کو دیکھ رہے ہیں کھڑے حضور
قاسم ہر ایک وار کی توصیف کرتے ہیں
عباس بھائی دونوں کی تعریف کرتے ہیں

سن کر صدائے والدہ چونکے وہ مہ جبیں مڑ کر کہا کہ پیاس سے اب دم میں دم نہیں
للہ جاؤ خیمے میں اے مادرِ حزیں سن لیں صدا نہ آپ کی اعدائے دیں کہیں
ہم کو دمِ اخیر یہ وجہِ حجاب ہے
لاشے وہیں تو آئیں گے کیوں اضطراب ہے

کہنی تلک ہیں دیکھ لو سوجی کلائیاں — قبضوں میں انگلیوں کی ہیں پیچ گھائیاں
ظاہر ہوئی ہیں موت کی چہروں پہ چھائیاں — ممکن جہاں تلک ہوا جھیلیں کڑائیاں
گھبرے غرض نہ خوف سپاہِ لئیم سے
اب لو لگی ہوئی ہے خدائے کریم سے

یہ کہہ کے غش پہ غش ہوئے وہ دونوں گلعذار — اعدائے دیں کو تھا اسی موقع کا انتظار
بھاگے ہوئے پھر آئے ہر اک سمت سے بدشعار — کرنے لگے یتیموں پہ تیغ و تبر کے وار
تڑپے کلیجے سینوں میں سانسیں اکھڑ گئیں
مجروح سر بھی ہو گئے زلفیں بھی کٹ گئیں

گر گر کے تازیوں سے پکارے امامؑ کو — جاتے ہیں لو غلام بھی دارالسلام کو
لے جائے بھیج کے کسی اپنے غلام کو — قہرِ خدا تباہ کرے فوجِ شام کو
مجروح کر دیا ہے ہمیں، غیر حال ہے
تسلیم آخری کی تمنا کمال ہے

اے بادشاہِ یثرب و بطحا مدد کرو — اپنے غلام زادوں کی آقا، مدد کرو
بہرِ علیؑ و فاطمہ زہراؑ، مدد کرو — افتادہ ہے نبیؐ، شہِ والاؑ مدد کرو
گھوڑوں سے گر پڑے ہیں نہ یہ بھی ملال ہو
اغلب ہے، ہم دشمنوں کے تلے پامال ہوں

ساتھ آئی اِس صدا کے یہ مسلمؑ کی بھی ندا — بھتیا خدا کے واسطے دوڑو غضب ہوا
لاشوں پہ دونوں نادموں کے ہے شقی جفا — روندے گئے دشمنوں کے تلے وا مصیبتا
ایذائیں ہیں ہر اک کے تنِ چاک چاک پر
دونوں یتیم پاؤں رگڑتے ہیں خاک پر

مرثیہ نمبر ۵

خلد کو فوجِ حسینی کا نشاں جاتا ہے — دامنِ سبز عجب حسن سے لہراتا ہے
مہر، پنجے کی ضیا دیکھ کے شرماتا ہے — غولِ جانبازوں کا غنچہ سا بنا جاتا ہے
دوش پر تیغیں ہیں طاؤسِ جناں توسن ہیں
نخلِ طوبیٰ کے تلے چاند کئی روشن ہیں

اوج پر فوجِ الٰہی کا ہے اقبال و حشم — دور سے لشکرِ انجم ہے تصدق ہر دم
ہر جواں یوسفِ مصری سے نہیں حسن میں کم — نرگسِ دشتِ زلیخا کی ہے چشم پُر نم
میکشِ عشقِ ولی ابنِ ولی جھومتے ہیں
تاک اعدا پہ ہے قبضوں کو جری چومتے ہیں

کوئی کہتا ہے نثارِ سرِ سردار ہے سر — سینہ اپنا ہے پئے وقتِ وغا جائے سپر
کوئی کرتا ہے یہ نعرہ کہ بفضلِ داور — سر سے ہووے گی بلا فرق مہم آج کی سر
یہ لڑائی بھی دلیروں کو سند ہووے گی
قوتِ بازوئے احمدؐ کی مدد ہووے گی

کہتے ہیں حضرتِ عباسؑ جوانو ہشیار — ہاں کوئی دم میں چلا جاتی ہے اب تلوار
عرض کرتے ہیں رفیقانِ شہِ عرش وقار — ہوئیں میوۂ جنت میں ہمیں سر ہیں بار
فرق ہو فرق و جسد میں تو سبکدوشی ہو
ہوش آجائے، گر اس درد سے بیہوشی ہو

جاں نثاروں کو نہیں آج کا دن عید سے کم — ذبح ہوں راہِ خدا میں یہ خوشی ہے ہر دم
سامنے آنکھوں کے ہیں جلوۂ گلزارِ ارم — وہ دریچوں سے نظر آتی ہیں حوریں باہم
آبِ کوثر کا وہ لہرا کے مزا دیتا ہے
آؤ اس باغ میں رضواں یہ صدا دیتا ہے

وہ کھڑے ہیں حسنِ سبز قبا کوثر پر — نظرِ لطف سے وہ دیکھتے ہیں پیغمبرؐ
جام کوثر کا وہ چھلکاتے ہیں میرِ کوثر — اپنی شاخوں کو جھکاتا ہے وہ طوبیٰ بکبیر
کوئی پتّہ بھی لطافت سے نہیں خالی ہے
نہیں ہلتی ہے، نظر نے یہ ہوس ڈالی ہے

ذکر یہ تھا کہ خدنگ آئے صفِ ہیجا سے — رہ گئے غیظ میں تھرّا کے بہتّر پیاسے
عرض عباسِ دلاور نے یہ کی آقا سے — حکم اب کیا ہے لڑیں یا نہ لڑیں اعدا سے
ضبط دشوار ہے، دل سینوں میں گھبراتے ہیں
تیر پیہم، صفِ اعدا سے چلے آتے ہیں

شہ نے کس یاس سے کی اپنے رفیقوں پہ نگاہ — اشک آنکھوں میں بھر آئے کہا انا للہ
پھر مخاطب ہوئے عباسِ علمدار سے شاہ — کہہ دو بھائی کہ بڑھے جنگ کو اک اک فوجی
راہِ حق میں جو قدم پہلے دھرے گا بھائی
سیرِ فردوس وہی پہلے کرے گا بھائی

مل گیا شہ سے دلیروں کو جو فرمانِ جہاد — کھل گئے غنچۂ اُمید نہایت ہوئے شاد
جنگ کرنے لگا بڑھ بڑھ کے ہر اک نیک نہاد — کر دیا دشتِ بلاخیز دلوں سے آباد
مار کر سیکڑوں کو مر گئے غازی رن میں
کر گئے سر سے ادا فرض نمازی رن میں

جب رفیقانِ شہِ دیں نے شہادت پائی — نقدِ جاں کر کے فدا دین کی دولت پائی
بھوک اور پیاس میں فردوس کی نعمت پائی — دخل کوثر پہ ہوا ملک میں جنت پائی
کیا ترقی ہوئی انعام میں کیا کیا پایا
ہر سپاہی نے سلیمانؑ کا رتبا پایا

سیرِ جنت جو ہوئی حُرِّ دلاور کو نصیب — دلِ فرزندِ محمدؐ پہ ہوا رنج عجیب
لالِ مسلمؑ کے کھڑے تھے جو شہِ دیں کے قریب — ہوئے محجوب وفاداری پہ اپنی وہ غریب
دیکھ کر لاشۂ پُرخون حُرِ غازی کا
شوق دونوں کو دوبالا ہوا جانبازی کا

خدمتِ سرورِ عالم میں ہوئے عرض رسا — اب غلاموں کو ملے بہرِ خلا؎ اذنِ وغا
شہ نے فرمایا یہ عجلت نہیں تم کو زیبا — اپنی مادر کی تسلّی ہو تمھیں تو بیٹا
ذکرِ رخصت بھی سنا اس نے تو مرجائے گی
آج کس آس پہ کل اُس کو بہلائے گی

دو جگر بند چھٹے لُٹ گیا پردیس میں گھر — بیوہ وہ ہو گئی مارا گیا اُس کا شوہر
تین داغ اُس کے کلیجے پہ پڑے ہیں یکسر — اور دو داغ نئے اٹھائے وہ دل یہ کیونکر
مجھ کو لازم ہے کہ آفت سے بچاؤں تم کو
میرے بھائی کی نشانی ہو مٹاؤں تم کو؟

؎ ایک نسخہ میں یہ مصرع اس طرح درج ہے
ہو غلاموں کو عطا بہرِ خلا اذنِ وغا

جاؤ خیمے میں کہ مادر کا خنک ہو کچھ دل — اُس کو اِن صدموں میں جینا بھی ہوا ہے مشکل
رنج میں رنج زیادہ دینے سے کیا ہے حاصل — ذبح کیوں کرتے ہو وہ آپ چھری کی ہے بسمل
میں تو کٹتا ہوں یہ گھر بھائی کا آباد رہے
رخصتِ جنگ نہ میں دوں گا یہ یاد رہے

جب دیا سیدِ والا نے انھیں صاف جواب — دلِ دلیروں کے ہوئے سینے کے اندر بیتاب
ہٹ گئے قربِ شہِ والا سے وہ رشکِ مہتاب — بولے آپس میں کہ یوں اذن نہ دیں گے جناب
شکل نکلے گی کوئی خیمے میں گر جائیں گے
سعی فرمائیں گی اماں تو رضا پائیں گے

پاس مادر کے گئے خیمے میں وہ رشکِ چمن — تھیں تردد میں علمدارِ دلاور کی بہن
دیکھ کر بیٹوں کو بولیں وہ بصد رنج و محن — کیا غلاموں کے بھی ہوتے ہیں یہ آقا سے چلن
غیر صدقے ہوئے جاں تم نے بچائی پیارو
اپنے ہمچشموں سے کچھ شرم نہ آئی پیارو

باپ ہو قدریہ اول تمھیں آئے نہ خیال — پیچھے رہ جاؤ تمھیں فوج سے ہنگامِ جدال
چھوڑے دو بھائی تو پردیس میں ہوں خوں میں لال — جان پیاری ہے تمھیں جائے تعجب ہے کمال
دعوئِ خونِ پدر دل سے فراموش کیا
ہوسِ زیست نے پیارو تمھیں بیہوش کیا

محو دل سے وہ ہوا باپ کا احوال تباہ — لاش کھینچی گئی ہر کوچہ و بازار میں آہ
چھوٹے بچے جو گئے تھے وہ پدر کے ہمراہ — اُن کے سر کٹ گئے پردیس میں بے جرم و گناہ
نہر میں نخوت سے لاشوں کو بہایا ہے ہے
اُن پہ قاتل کو ذرا رحم نہ آیا ہے ہے

یہ لشکر وہ ہیں مَلک کرتے ہیں لعنت جن پر / تم کو کیا ان سے مروت ہے بتاؤ تو مگر
جان پیاری ہے تو پھر کس لئے باندھی ہے کمر / کھل کے کہتے نہیں کیوں قصدِ وطن کا ہے اگر
اس مصیبت میں کہو ساتھ مرا چھوڑتے ہو
بھلا اس رانڈ کی غربت میں کمر توڑتے ہو

مرد وہ ہے جو رکھے اپنے بزرگوں کا خیال / ننگ شیروں کو ہے منھ موڑنا ہنگامِ جدال
اپنے نانا کی شجاعت کا سُنا ہے کچھ حال / ہر لڑائی میں صفوں کو کیا کیسا پامال
آبِ شمشیر سے شیروں کا جگر پانی تھا
بولو، حیدرؑ کا زمانے میں کوئی ثانی تھا

بابِ خیبر کو اُکھاڑا اسد اللہ نے جب / بید کی طرح لرزتے تھے شجاعانِ عرب
ڈھال کی طرح وہ در لے کے بصد طیش و غضب / لبِ خندق پہ کھڑا ہو گیا وہ عاشقِ رب
پار ہونا جو عساکر کو تھا دشوار ہُوا
جسر پر دستِ یداللہ سے تیار ہوا

بدر کی جنگ کہ وہ معرکہ ہے روشن بالکل / صفیں صفیں جب اُلٹیں یہ ہے کونین میں غُل
جب لڑا چاہ میں وہ نائبِ سُلطانِ رُسُل / تیغ کے پھل سے تر آب کھلے کیا کیا گُل
جن کو دعوائے دلیری تھا وہ جن بے جاں تھے
چاہ میں تیغ کے پانی سے نئے طوفاں تھے

اپنے والد کی شجاعت بھی سُنی تم نے تمام / بات یہ کل کی ہے عالم میں جو کچھ آج ہے نام
سُنتی ہوں دیتے ایذا تھے ہزار اعدا خودکام / خوف سے کوئی نہ آتا تھا قریبِ صمصام
بند کو کھینچے ہوئے حسنؑ حسینؑ کے جا فرمارے
لال کو جعفرِ طیارؑ کے پتھر مارے

تم کو کیا ہو گیا کیوں ہوتے ہو بیکار و بدنام
دل میں سوچو کہ اس آغاز کا کیا ہے انجام
مفت برباد ہوئی بھائی کی محنت وہ تمام
فنِ جنگ سکھانے میں جو کوشش تھی مدام
وار وہ نیزہ و شمشیر کے کیا بھول گئے
دست و پا اے مرے شمشاد قدو بھول گئے

سن کے یہ بات لگے کانپنے تھر تھر وہ ہزبر
پاؤں پر ماں کے گرے اشک فشاں صورتِ ابر
عرض کی والدہ صاحب نہیں اب طاقتِ صبر
آپ کے لاڈلوں کو زیست گئی دکھ ہے جبر
ترک ہو راہِ وفا ہم وہ دل افگار نہیں
کیا یہ سمجھی ہیں غلام آپ کے جرار نہیں

ہیں جری ابنِ جری ہم کو نہیں جان کا ڈر
صدقے کر دیں گے سرِ شہ پہ بلا فرق یہ سر
بھوک اور پیاس میں یکساں ہیں چلاتے ہیں تبر
شیر ہیں ضیغمِ اللہ کے حضرت کے پسر
اپنی تیغیں جو کھنچیں حشر کا اک غل ہو گا
اب تری نہر پہ میداں میں تزلزل ہو گا

جس قدر سیکھے تھے ماموں سے وہ سب یاد ہیں فن
سپرِ مہر میں نیزے سے کریں ہم روزن
آئیں گر گوشے سے نکل کر جو کہیں تیر فگن
ایک ابرو کے اشارے میں فنا ہوں بدظن
چٹکیاں رکھتے ہی بیہوش ہوں شست تاروں پر
تیر بن جائیں نگاہیں بھی خطا کاروں پر

خوب معلوم ہے نانا کی وہ جنگِ خیبر
بدر و صفین میں ہوئے صاف گھر ان کے یکسر
ہم بھی کوفے کو کیا چاہتے ہیں زیر و زبر
روم کو شام تلک خوں میں کریں گے ہم تر
مشکلِ جدال مہمات ہمیں باک نہیں
اپنی جرأت کی کہاں زیرِ فلک دھاک نہیں

بیوفائی کا ہوا ہم سے غلاموں پہ گماں　　دل میں آتا ہے گلے کاٹ کے مر جائیں یہیں
چھوڑ کر ماموں کو جائیں گے اس آفت میں کہاں　　کون بیٹھا ہے مدینے میں ہمارا اماں
بھائیوں کے نہ خطا آئے نہ نشانی آئی
باپ مارا گیا کوفے میں سُنائی آئی

حالِ زار آپ نے اماں نہ ہمارا پوچھا　　بے خطا ہونے لگیں اپنے غلاموں پہ خفا
بارہا شہ سے کیا عرض پئے اذنِ وغا　　جاں نثاری کا مگر حکم نہ بندوں کو ملا
ہم تو مرنے کی کئی دن سے قسم کھائے ہیں
آپ کے پاس سفارش کے لئے آئے ہیں

کہہ کے یہ رونے لگے جوشِ شجاعت آیا　　دلِ مادر بھی محبت سے ادھر بھر آیا
ہوئی بیتاب کلیجے سے انہیں لپٹایا　　پونچھ کر اشک بصد لطف و کرم فرمایا
مجھ کو معلوم ہے غازی ہو بہادر ہو تم
صاحبِ جرأت و اقبال و تہور ہو تم

پھر تامل نہیں زیبا تھا دمِ جنگ جدل　　ہو ہراول کے لیے جنگ روا تھی اوّل
کیا ہی تشویش و تردد میں رہی ہوں کل کل　　آج معلوم یہ ہوتا تھا چلی جان نکل
بھائی عباسؑ وہاں حُر کے لئے رفتے تھے
ٹکڑے میرے جگر و دل کے یہاں ہوتے تھے

خیمہ میں تم کو دلاتی ہوں رضائے میداں　　جاؤ بھائی کو مرے رن سے بلا لاؤ یہاں
خوش ہوئے ماں سے یہ سُن کر وہ گلِ باغِ جناں　　آئے دوڑے ہوئے نزدیکِ علمدارؑ جہاں
عرض کی والدہ اندوہ میں واں مرتی ہیں
آپ کو خیمے میں اس وقت طلب کرتی ہیں

آئے خیمے میں علمدارِ جری گھبرا کر — دیکھا ہمشیر کو یاں اشک فشاں ننگے سر
غم سے بیتاب ہوا سینۂ اقدس میں جگر — بولے اس آپ کے اندوہ نے مارا خواہر
کوئی لمحہ نہیں تسکینِ فغان و غم سے
حال یہ آپ کا دیکھا نہیں جاتا ہم سے

صبر کیجے کہ مقدر کی یہی ہے تحریر — کیا کہیں تم سے ہمارا بھی ہے اب وقت اخیر
سر کٹاتے ہیں رہِ حق میں امامِ دلگیر — پہلے ہم ہوں گے نثارِ سرِ پاکِ شبیرؑ
جان کس طرح نہ دیں خلق کے محسن کے لئے
پرورش ہوتے ہیں خادم تو اسی دن کے لئے

اور بیتاب ہوئی سن کے برادر کے کلام — لپٹی عباسؑ علمدار سے وہ نیک انجام
کہتی تھی خانۂ سادات ہوا ہائے تمام — تم پہ صدقے ہو بہنؑ اے مرے بھائی گلفام
سر مرا فوجِ ستم تن سے اتارے بھائی
پر کوئی دشمنِ دیں تم کو نہ مارے بھائی

میرے ماں جائے بتا ماں کو میں کیا دوں گی جواب — منتظر ہوں گی مدینے میں تمہاری وہ جناب
کیا سبکدوش ہوں گر موت مجھے آئے شتاب — نہ تو ماتم ہو تمہارا نہ ہوا ماں سے حجاب
بخت جاگیں جو مجھے خاک میں سونا مل جائے
سر برہنہ نہ پھروں قبر کا کونا مل جائے

بولے عباسؑ نہیں اس میں بہن جائے سخن — وہی بہتر ہے جو ہے مرضیِ خلاقِ زمن
دم کی مہلت نہیں دیتی ہے سپاہِ بدظن — کس لئے ہم کو بلایا تھا کہو جلد بہن
روح بیتاب ہوئی جاتی ہے خواہر تن میں
نرغۂ فوج ہے گھبرائیں نہ آقا رن میں

پونچھ کر اشک کہا اُن سے کہ خواہر ہو فدا — آپ کے بھانجے روتے ہیں پئے اذنِ وغا
اِن کو لے جایئے ساتھ اپنے حضورِ آقا — میری جانب سے کہو عذر نہیں ہے زیبا
بیکسوں کی تمہیں آفت میں مدد کرتے ہو
ہدیۂ بیوۂ ناشاد کو رد کرتے ہو

چپ ہوا پہلے، علمدارِ شہِ جن و بشر — پھر کہا سوچ کے کچھ خیر مناسب خواہر
ساتھ لے کر انھیں خیمے سے جو نکلے باہر — غُل تھا دو نجم برآمد ہوئے ہمراہِ قمر
رشک سے مہرِ مبیں چرخ پہ تھراتا تھا
لالِ مسلمؑ کے لیے، دُرِّ نجف آتا تھا

آئے عباسؑ لیے اُن کو حضورِ شبیرؑ — ساری دہرائی جو کچھ کی تھی بہن نے تقریر
بولے حضرت یہ برادر سے کہ اے مہرِ منیر — دل تڑپتا ہے کوئی بن نہیں آتی تدبیر
گود کے پالوں کو مرنے کی رضا دوں بھائی!
نامِ مسلمؑ کا زمانے سے مٹا دوں بھائی!

سن کے یہ سیدِ ذی جاہ کے پُر درد کلام — گر پڑے پائے مبارک پہ وہ دونوں گلفام
کہا حضرت نے اٹھو تم پہ تصدق ہو امام — جاؤ مرنے کو خوشامد کا یہی ہے انجام
دلِ مجروح کو ماموں کے دکھاؤ پیارو
آخری ماں سے ملاقات کر آؤ پیارو

مسکراتے ہوئے قدموں سے اٹھے وہ گلفام — جھک کے دونوں نے کئے سرورِ عالی کو سلام
گئے خیمے میں کہا ماں سے کہ اے عرش مقام — رخصتِ جنگ ملی پائے دلوں نے آرام
آپ کے صدقے میں اوج و شرف پائے ہیں
گھر میں ہم رخصتِ آخر کے لئے آئے ہیں

بولی ماں خیر مبارک ہو ملا اذنِ جہاد — پر ابھی خوش نہیں میں تم سے رہے خوب یہ یاد
جاؤ میداں میں کرو فوجِ ستم کو برباد — مر کے جب آؤ گے تب ہوگی طبیعت مری شاد
نعرہ زن، اشک فشاں، باسرِ عریاں ہوں گی
دونوں لاشوں پہ دل و جاں سے میں قرباں ہوں گی

پائی حضرت سے رضا دودھ کیا میں نے بحل — دولتیں دونوں ہوئیں تم کو برابر حاصل
سبطِ خدا کے لئے کرنا نہیں ماں کو خجل — وہ لڑو آج کہ شاباش ہو ہر ایک کا دل
زخم کھا کھا کے عدو نالہ و فریاد کریں
اس لڑائی کو جفا کیش سدا یاد کریں

خود دلاور ہو جگر بند دلاور ہو تم — رستمِ عصر ہو، غازی ہو، غضنفر ہو تم
آبرو جن سے ہے عالم کی وہ گوہر ہو تم — آج کی جنگ میں منصور و مظفر ہو تم
ضربِ شمشیر سے کونین میں چرچا ہو جائے
چھین لو جا کے نشاں نام کا شہرا ہو جائے

رتبے ہر شے سے دو عالم میں تمھارے ہوں جلیل — نانا جبریل کا استاد ہے دادا ہے عقیل
باپ سلطانِ دو عالم کا زمانے میں وکیل — ماموں عباسؑ علمدار یتیموں کے کفیل
اقربا جتنے ہیں وہ سب ہیں عزیزِ زہراؑ
اور یہ دائی ہے دل و جاں سے کنیزِ زہراؑ

نام کا شہ کے دمِ جنگ رہے تم کو خیال — نمکِ سرورِ ذی جاہ کرو آج حلال
سن اگر کم ہیں تو ہرگز نہیں ہو جائے ملال — بچہ شیر ہو خلقت میں تمھاری ہے جلال
قیدِ ہستی سے لعینوں کو چھڑا دو پیارو
عمر و شمر کے سر و دھڑ سے اڑا دو پیارو

دیر لازم نہیں، اب جلد سدھارو واری　　چھن کے افسر ستم ایجادوں کے مارو واری
تیغ کے گھاٹ لعینوں کو، ہم! تارو واری　　غازۂ خوں سے رُخِ فتح سنوارو واری
پہلواں زیر کرو جب تو میں مانوں تم کو
داد لو ستّیہ والا سے تو جانوں تم کو

ایک پیغام نہ تم بھولیو مادر ہو فدا　　جا کے جنت میں ملو بھائیوں سے گر کسی جا
پیار کرنا اُنھیں جانب سے مری خوب ذرا　　کہنا منھ چوم کے امّاں نے یہ ہے تم سے کہا
تُمنے آغوشِ پدر نے تمھیں بیہوش کیا
جانے افسوس ہے دائی کو فراموش کیا

کیا خطا اس سے ہوئی یہ تو بتاؤ پیارو　　آ نہیں سکتے ہو تم اس کو بلاؤ پیارو
رحم دائی کے ذرا حال پہ کھاؤ پیارو　　خواب میں ہی کبھی شکل اپنی دکھاؤ پیارو
چین دن کو ہے نہ شب کو وہ کبھی سوتی ہے
یاد کرتی ہے تمھیں اور سدا روتی ہے

سن کے رونے لگے یہ مادرِ مضطر کے کلام　　سب سے رخصت ہوئے جھک جھک کے کیے سب کو سلام
سینے تانے ہوئے خیمے سے جو نکلے گلفام　　ماں گری خاک پہ غش کھا کے جگر اپنا تھام
ہوش آیا تو کہا صبر عطا کر یارب
بھائی کے دین سے خواہر کو ادا کر یارب

نکلے جب بہرِ وغا دونوں وہ جانِ مسلم　　شور تھا خلق سے مٹتا ہے نشانِ مسلم
مسکراتے تھے بہم غنچہ دہانِ مسلم　　نکلے خیمے سے جو وہ سروِ روانِ مسلم
ہر خذف فیضِ قدم سے دُرِ نایاب بنی
دھوپ میدان میں اک چادرِ کمخواب بنی

در پہ حاضر تھے جو وہ غزالانِ ختن — ہو گئے اسوار کمر باندھ کے وہ غنچہ دہن
راس آیا تھا انھیں تیز روی کا جو چلن — باگ لیتے ہی ہُوا ہو گئے دونوں توسن
شیر بن بن کے سُوئے دشتِ تگ و تاز اُڑے
غُل تھا دو شکروں کو لے کر ہیں وہ شہباز اُڑے

ایک نے برق کی جَودت جو دکھائی بکھیر — دوسرا ہو گیا آندھی کی طرح سے صرصر
ہو گیا شکلِ ہُما دشت میں گر یہ اُڑ کر — وہ بنا تیز روی میں صفتِ طیرِ نظر
وہ اگر بھاند کے فردوس کی حد میں پہنچا
یہ تڑپتا ہوا بجلی سا ابد میں پہنچا

دو چکاروں نے طرارے جو بھرے جَم جَم کے — سبزۂ چرخ، بلا گرد ہوا تھم تھم کے
بیرقِ برق کے گردوں پہ نہ پرچم چمکے — بادِ صرصر کو تردد ہوئے ہر دم اُدھم کے
ہو گئی چال فراموش جو سیّاروں کو
صدقے ہر نعل کی کیلوں پہ کیا تاروں کو

یہ ہُما اور وہ شعلہ تھا دمِ جلوہ گری — شکلِ طاؤسِ جناں یہ تھا تو وہ رشکِ پری
دست و پا صاف، ہر اک عیب سے عالم میں بری — آہوئے دشتِ ختن، غیرتِ ماہیِ تری
ایک کے رشک سے سیماب کا دل پانی تھا
دوسرا عالمِ ایجاد میں لاثانی تھا

وہ صفِ جنگ جو پہنچے یہ مثالِ آواز — تہلکہ پڑ گیا لشکر میں، تھے سب جانباز
گڑ گئے خاک میں دہشت سے نشانہائے دراز — دم رُکے قبضوں میں، تیغوں کے چھٹے فرقِ نیاز
اور جو تیروں کا تھا، ڈھالوں کا وہ دَور نہیں
تیر گوشوں میں چھپے راستے کا طَور نہیں

بیر جنگل سے ہرن ہو گئے اللہ رے خطر   چیتے چھپتے ہوئے بیٹھے تھے ترائی کے اُدھر
جانور بحر کے، پانی میں ہوئے سب ابتر   تھے تہِ آب چھپے کانپتے تھے ڈر سے مگر
گاہ کا تما ہوئی ساحل پہ جو جانکاہی کو
دام موجیں ہوئیں دہشت سے ہر اک ماہی کو

شور ہے شیرِ نیستانِ علیؑ وہ آئے   بھاگو لشکر سے کہ سبطینِ علیؑ وہ آئے
دین کی جن سے شگفتہ ہے کلی وہ آئے   کفر پر جن کی سدا تیغ چلی وہ آئے
وہ لڑے ان سے جسے دین سے بیزاری ہے
پھینک دو تیغ و سپر جان اگر پیاری ہے

دور تک دشت میں ہے دونوں رخوں کی تنویر   مردمِ دیدۂ بینا ہے سراسر تصویر
قرصِ آئینہ ہوا رشک سے خورشیدِ منیر   مشتری ان کی ہے زہرہ کہ ہے الفت میں اسیر
پلکیں ہیں تارِ نظر کے لئے آئے رن میں
فیضِ پرتو سے ہیں ذرّات ستارے بن میں

گاہ تنتے ہیں، کبھی جھوم رہے ہیں جرار   جھومتا ہے بڑے بھائی سے جھک کر ہر بار
کیا توقف ہے چلو، فوج پہ کھینچو تلوار   ہنس کے کہتا ہے بڑا صبر ابھی ہے درکار
جوہرِ سیفِ زباں پہلے دکھا لو بھائی
حسبِ معمول رجز ان کو سنا لو بھائی

عرض وہ کرتا ہے بہتر ہے جو یہ ہے منظور   پڑھیے اشعارِ رجز پڑھ کے فصاحت سے حضور
الغرض دونوں چلے جانبِ فوجِ مغرور   تھم کے نزدیک بڑوں کے یہ پکارے وہ غیور
ناصرِ سیدِ کونین ہیں، پہچانتے ہو؟
ہم ہیں مسلم کے جگر بند، نہیں جانتے ہو

اپنی تلوار کا ہے عالمِ ایجاد میں غُل — جس سے معدوم ہوئی کفر پرستی بالکل
جدِّ ماجد تو رہے ناصرِ سلطانِ رُسل — گلِ احمدؐ پہ فدا ہم ہیں مثالِ بلبل
آلِ زہراؑ سے سدا حُبّ دلی ہے ہم کو
اِرث میں مہر و وفا جد سے ملی ہے ہم کو

ہم ہمیشہ رہے تلوار کے عالم میں دھنی — ہم سے جاری ہوا دُنیا میں فنِ تیغ زنی
اپنی شمشیر کے جوہر ہیں کہ ہیرے کی کنی — پی لیا جس نے ذرا جان پہ بس اس کی بنی
نہ تو نیزوں میں رُکیں گے نہ کہیں تیروں میں
گھاٹ ہے تیغِ یداللہ کا شمشیروں میں !

سُن کے اشعارِ رجز کانپ رہا تھا لشکر — نعرے کرتے تھے سب صلِّ علیٰ پڑھ پڑھ کر
فوج کو دیتے تھے ترغیبِ دغا شمر و عمر — بٹ رہے تھے کہیں گھوڑے کہیں خلعت کہیں زر
افسروں کے لئے انعام کی تحریریں تھیں
دو یتیموں کے وہاں قتل کی تدبیریں تھیں

دفعتاً تیروں کی پیاسوں پہ ہوئی جب بوچھار — تیغے کھینچ لئے شیر دلوں نے یک بار
فاتحہ پڑھ کے اڑائے جو برابر رہوار — یوں گئے صف سے نگہ جیسے ہو آئینے سے پار
جسم صابون بنے، تیغے دو تار ہوئے
ہر پرے میں جسد و فرق کے انبار ہوئے

آئے سن سن جو صفِ فوج پہ دونوں اک بار — ہو گئی دم میں خزاں ڈھال کے پھولوں کی بہار
نیزہ و تیغ و تبرزن کے ہوئے سب بیکار — قطع ہو ہو کے کمانوں کے مٹے نقش و نگار
کٹ کے پرچم جو گرے، دشت میں اندھیر ہوا
ٹکڑے ہو ہو کے نشاں ایک جگہ ڈھیر ہوا

ایک نے آگ لگائی تنِ اعدا میں اگر — دوسرا بن گیا بھڑکانے کو اُس کے صرصر
اس نے کی چاک سپر کاٹ دیا اُس نے سر — یہ دَر آیا دلِ اعدا میں لیا اُس نے جگر
خون پینے میں برابر کا مگر حصّہ تھا
ہڈیاں مثلِ ہُما کھاتے تھے کیا غصّہ تھا

کاٹ میں چھانٹ میں دونوں تھے برابر وہ فرد — ایک سے برقِ خجل دوسرے سے شعلہ گرد
چار سُو حشر تھا میدان میں ہنگامِ نبرد — گرد سے جلتے تھے پڑے بھرتے تھے زندہ دم سرد
سکتے اسواروں کو رہواروں کو حیرانی تھی
ابتری گھاٹ پہ جنگل میں پریشانی تھی

کیا دلیروں نے کیا جنگ میں محشر ہر سُو — آلِ احمدؐ کی کرامات نے توڑا جادو
بُت بنے خوف سے تھے سخت بہت گرچہ عدو — جل گئے قشقہ تھا سرِ دست جنیو پہ لہو
خود کٹ کر جو گرے گردنوں میں ہار ہوئے
زخم ترچھے ستم اطواروں کو زنّار ہوئے

دیکھ کر وقتِ وغا دونوں دلیروں کے کمال — پہلواں بھول گئے ڈر سے فنِ جنگ و جدال
رعبِ اسلام سے حربوں کا ہوا تھا یہ حال — تیر پر تیغ، کماں گوشہ نشیں ڈھال نڈھال
کٹ کے ہر ایک کڑی دشت میں پامال ہوئی
ہر سپاہی کو زرہ جسم میں جنجال ہوئی

نیمچہ تول کے جس صف کی طرف نیر بڑھے — دم میں صف صاف ہوئی سارے نمودار کٹے
بیرقیں گر گئیں ڈر ڈر کے علمدار ہٹے — گرد ہی گرد ہوئی ہوش اُڑے زور گھٹے
دم کا لینا بھی جفاکاروں کو جنجال ہوا
چیونٹے بن کے ہر اک مورچہ پامال ہوا

پیشِ کفّار ہوئی مرگِ مفاجات کی شکل　　کشمکش میں نہ نکلتی تھی ورایات کی شکل
دن تھا، ڈھالوں سے ہویدا تھی مگر رات کی شکل　　بازیاں بھول گئے، دیکھ کے سب مات کی شکل

دل جو ہارے تو پیادوں کو بڑا رنج ہوا
وہم سے خانۂ دل، خانۂ شطرنج ہوا

شکلِ شمشیرِ علیؑ آئے جو دونوں مل کر　　لا عدو ہو گئے سارے سے اِدھر اور اُدھر
جب چمک کر وہ گری شور ہوا دیار پہ　　دل و جاں نذر کرو، آئی وہ تیغِ حیدرؑ

بے نشاں ہوں گے نشاں صاف پرا ٹوٹے گا
اس کا چاٹا نہ کوئی نخل ہرا ہووے گا

آئی ناگن سی جو لہرا کے وہیں کاٹ گئی　　مل کے فوراً تنِ اعدا کا لہو چاٹ گئی
گردشِ چشم میں لاشوں سے زمیں پاٹ گئی　　گئی جس سمت، بدل کر وہ نیا ٹھاٹ گئی

سرخ پوشاکِ کہیں خوں سے بہن آئی!
کہیں شفاف مہِ عید سے بن کر آئی

کچھ نہ بچتا تھا تنِ نحس میں جو پاتی تھی　　جان لیتی تھی، لہو پیتی تھی، دل کھاتی تھی
طائرِ جاں کو غضب سینے میں تڑپاتی تھی　　رُوح کو ساتھ لئے تن سے نکل جاتی تھی

جھک کے کہتی تھی کہ جا، راستہ ناریہ ہے
دیر لازم نہیں یاں، موت کا بازار یہ ہے

جب ہوئی شعلہ فشاں آگ برستی آئی　　مل کے آئی تو کھلا تیغ دو دستی آئی
زیرِ آتش ستم و جور کی بستی آئی　　ہستی فوج پہ کیا موت بھی ہنستی آئی

ہر سپاہی نے جدا فرق کو دم میں پایا
دم نے آرام نہ یاں اور نہ عدم میں پایا

ایک نے بڑھ کے سرِ اہلِ ہوس کو کاٹا　　دوسرے صاحبِ جوہر نے فرس کو کاٹا
پانچ کو اس نے تو اس تیغ نے دس کو کاٹا　　ایک دل ہو کے مگر تارِ نفس کو کاٹا
غور سے دیکھی تھی دل کے وہ آئینے میں
رہ گیا ہو نہ کہیں رشتۂ جاں سینے میں

نخلِ قامت میں کسی کے جو لگا ایک بھی پھل　　صورتِ بادِ خزاں اُس پہ گری آ کے اجل
جاں نکلتے ہی گیا جسم سے کانٹا سا نکل　　کھیت لالے کا بنا خون سے سارا جنگل
روحیں جسموں سے جُدا ہو کے پریشاں ہوئیں
آشیاں چھوٹ گئے بلبلیں حیراں ہوئیں

چار سو دشت میں دھانوں کے اُڑے پرکالے　　ہو گئے جل کے دھواں رن میں نشاں کالے
بھالے والے جو ذرا موت نے دیکھے بھالے　　دم بخود ہو گئے سب خوف سے اور سر ڈالے
یک قلم بھول گئے تیر لگانا ناری
بن گئے موت کے ناوک کا نشانہ ناری

دشت سنسان صفیں صاف پرے خالی　　اس محلّے میں تباہی تو اُدھر پامالی
جا بجا سبزۂ صحرا پہ لہو کی لالی　　سرخ ہر اک شجرِ سبز کی ڈالی ڈالی
خوں کے چھڑکاؤ سے میدان میں سردی ظاہر
عالم ہو ہوا رخِ خورشید پہ زردی ظاہر

اپنے خیمے میں چھپا تھا عمرِ زشت خصال　　مضطرب سخت ہوا دیکھ کے یہ فوج کا حال
شمر کو حکم دیا اُس نے کہ جا تو فی الحال　　پاؤں لشکر کے اُٹھے جاتے ندامت ہے کمال
لوگ جنگاہ سے سب پھینک کے ہتھیار گئے
دو صغیروں سے شجاعانِ عرب ہار گئے

دوڑ کر شمرِ جفا کار نے پھیرا لشکر　　مکر سے سب کے تڑپ جاتے دلِ مضطر بجھر
چار جانب سے پھرے بہرِ وغا بد اختر　　گھر گئے ظلم کی بدلی میں یہ دو رشکِ قمر
سینۂ چرخ سے نیزوں کی چمک پار ہوئی
کڑکی ہر ایک کماں تیروں کی بوچھار ہوئی

ہر طرف دیکھ کے پھر نرغۂ فوجِ کفار　　باندھ کر زخم، دلیروں نے اڑائے رہوار
چار سُو چلنے لگے تیغے دونوں اِک بار　　قتل ہونے لگے اک وار میں دو دو اسوار
مرغِ بسمل سے تڑپنے لگے افسر رن میں
پھر ہویدا ہوا ہنگامۂ محشر رن میں

ہاں پلا ساقیِ مہوش مئے کوثر مجھ کو　　موج میں آئیں نظر تیغ کے جوہر مجھ کو
کام تلوار کا دے کلکِ دو پیکر مجھ کو　　جنگ لکھنی ہے دلیروں کی مکرر مجھ کو
خاک میں لشکرِ ناری کے نشاں گڑتے ہیں
دوسری مرتبہ مسلمؑ کے پسر لڑتے ہیں

پھر نئے سر سے سرِ فوج پہ آفت آئی　　تیغے چلنے لگے، طرفہ قیامت آئی
منہ پہ دو شیروں کے پھر فوج بکثرت آئی　　ملک الموت کو پھر عرش سے محنت آئی
تیغے بن گئے پھر دھوپ سے پارا رن میں
ذبح ہونے لگے کفار دوبارا رن میں

چار سُو دشت میں ہونے لگا پھر شورِ نشور　　چھپ گئے بادلوں میں اڑ کے درختوں کے طیور
قصرِ قیصر کا گرا، ہلتی ہے قبرِ فغفور　　فوجِ کفار میں اس وقت رہا زور نہ نور
رنگ بیرنگ ہیں اب شعبدہ پردازی کے
ڈگمگاتے ہیں قدم خوف سے جاں بازی کے

چھوٹے چھوٹے تو ہیں یہ تیغچے، اللہ رے دم | چار ہوتے ہیں ہر اک وار میں دو دو ظالم
برق کی طرح چمکتے ہیں جو دونوں باہم | چشمِ خورشید جھپکتی ہے فلک پر پیہم
گرتے گرتے فلکِ پیر سنبھل جاتا ہے
دلِ مریخ تلاطم میں دہل جاتا ہے

ہر طرف نیزۂ خطی ہیں قلم میداں میں | ترکش و تیر لرزتے ہیں بہم میداں میں
جھک گئے خاک پہ گرنے کو علم میداں میں | پھر ٹھہرتے نہیں اعدا کے قدم میداں میں
ضرب کے صدمے اٹھاتے تھے جو ہٹ کھاتے ہیں
دانت ہر تیغ کے دہشت سے نکل آتے ہیں

نیچے کرتے ہیں ہر جسم کو آدھا | مشقِ تنصیف نے تضعیف کا پایا درجا
جائزہ لیتا ہے جب محاسبیِ دیوانِ قضا | ضرب میں ہوتا ہے دونوں کا برابر حصا
ہر رقم غور سے دیکھی تو غلط ہاتھ لگی
ملک الموت کو اک جان فقط ہاتھ لگی

نیچے جاتے ہیں کیا عملِ جرِ ثقیل | دم میں کھنچ آتی ہے ایک ساتھ وہ سب فوجِ ذلیل
کل نہیں ایک کو، ہر سو ہے بپا شورِ عویل | فردِ تکثیرِ ملتی، رہ گئی مدِ تقلیل
دفعتاً عقل کی بھی شمع جو خاموش ہوئی
بخششیِ فوج کو ہر فرد فراموش ہوئی

ان کے ڈورے نے کیا قطع سرِ تارِ نفس | تنگ ہیں زیست سے دہشت کے سبب راکبِ فرس
طائرِ روح کو ہر جسم ہے اس وقت قفس | کہ معدوم ہے مفقود ہے ہر دل سے ہوس
اب تو ایک ایک کو ہیں جان کے لالے تن میں
اُبلے پڑتے ہیں غضب خون کے تھالے تن میں

جھپٹ کے جانباز جو لڑنے کے لئے آتے ہیں — قعرِ دوزخ میں انہیں نیچے پہنچاتے ہیں
تیر بدکیش کمیں گاہ سے برساتے رہیں — شیر تانے ہوئے سینوں کو بڑھے جاتے ہیں
جنگ کے شوق میں کچھ جان کا وسواس نہیں
کیا جگر ہیں کہ ذرا خوف و خطر یاس نہیں

سر سے تا ناخنِ پا غرقِ عرق ہیں غازی — فوجِ بدکیش میں واں سازش و حیلہ سازی
دھوپ میں گشت جو کی شل ہوئے دونوں تازی — باز پر آئے نہ لڑنے سے یہ ہے جانبازی
سیکڑوں کاٹ کے سر تا پہ سے چھوڑے رن میں
دھوپ آتش تھی تو سیماب تھے گھوڑے رن میں

تن دلیروں کے پھنکے جاتے ہیں لو سے گرم — دھوپ زخموں میں لگاتی ہے اک آتش پیہم
زرہیں خوں سے جو لٹکائیں تو پھیلے ہیں تمام — تھک گئے ہاتھ، بدن سست ہوئے ٹوٹے ستم
غنچۂ دل ستمِ چرخ سے پامال ہوئے
آ گیا، پھول سے پنجوں پہ ورم لال ہوئے

دم بدم پیاس کی شدت سے ہوئی دونوں کو کلال — ضعف نے کر دیئے سینوں میں دلِ پاک نڈھال
گھٹ گئے زور دلیروں کے بڑھے زشت خصال — وار کرنے لگے نزدیک سے بے خوف و خیال
چور زخموں سے ہوئے تھے پیاروں کے تازی دونوں
خانۂ زیں پہ تڑپتے تھے نمازی دونوں

ستم تو تھا ہر اک وار پہ، تازہ بیداد — ہو گئیں نذر لعینوں کو رہا حشر نہ یاد
ناگہاں خاک پہ گھوڑے سے گرے نیک نہاد — نخل ٹوٹا خواہرِ عباسؑ ہوئی لو برباد
سوئے فردوس چلے راحتِ جانِ مسلمؑ
آج دنیا سے مٹا نام و نشانِ مسلمؑ

دی دلیروں نے ندا سیّدِ والا آؤ — عرصۂ جنت ہے اب شہِ یثرب و بطحا آؤ
عالمِ نزع ہے اے فخرِ مسیحا آؤ — بابا لینے کے لئے آئے ہیں آقا آؤ
پائمالی کے لئے لشکرِ خود کام آیا
دیر لازم نہیں یٰسین کا ہنگام آیا

سُن کے فریاد یتیموں کی چلے شاہِ اُمم — اشک بہتے تھے رُخِ پاک پہ تھی شدتِ غم
اک طرف اکبرِ ذیجاہ بصد درد و الم — دوسری سمت علمدارؑ کے تیغ علم
دونوں شیروں کے لئے ٹکڑے جگر ہوتے تھے
گھر میں سر کھولے ہوئے اہلِ حرم روتے تھے

شاہ کہتے تھے ہوا خانۂ مظلوم تباہ — لُٹ گئی راہِ خدا میں بہن آ کے ہمارے ہمراہ
دل پہ صدمہ ہے نہیں سوجھتی میداں کی راہ — کیا ہی محجوب کیا گردشِ افلاک نے آہ
پاؤں لغزش میں ہیں لو ہاتھ برادر تھامو
دیکھیے کیا ہو ذرا باپ کو اکبرؑ تھامو

کہہ کے یہ بات جو سر پیٹتے تھے شاہِ انام — عرش پر خیلِ ملائک میں بپا تھا کہرام
عرض کرتے تھے علمدارؑ کہ اے عرش مقام — صبر کی ہاتھوں سے للّٰہ نہ دیں آپ لگام
اس قدر آپ عبث اُن کے لئے روتے ہیں
جاں نثاری کے لئے اہلِ وفا ہوتے ہیں

الغرض لاشوں پہ جب سیّدِ والا آئے — شیرِ مجروح سرِ خاک تڑپتے پائے
دیکھ کر حضرتِ عباسؑ یہ لب پر لائے — صدقے ماموں ہو بہت زخم سنانوں پہ کھائے
کھول دو آنکھوں کو مغموم بڑے ہیں آقا
بہرِ تعظیم اٹھو سر پہ کھڑے ہیں آقا

کوچ کا وقت ہے غفلت کا نہیں یہ ہنگام دیکھ لو آخری دیدارِ شہنشاہِ انام
کہہ دو دنیا ہو جو کچھ مادرِ محزوں کو پیام پیٹتی پھرتی ہے خیمے میں تمھیں وہ ناکام
جائے انصاف ہے بیشک وہ بیچاری روتی ہے
آج ہر طرح سے بے آس یہاں ہوتی ہے

سن کے آوازِ علمدار ذرا ہوش آیا بیٹھ کر شاہ نے چھاتی سے انہیں لپٹایا
زانوئے شہ پہ جو شیروں نے سروں کو پایا عرض کی عرش سے برتر ہے ہمارا پایا
کس نے پائی ہے یہ عزت جو ہمیں آج ملی
تکیۂ زانوئے پُرنور سے معراج ملی

اپنی تقدیر پہ ہے فخر و مباہات کی جا سر غلاموں کے کجا زانوئے پُرنور کجا
اور کیا عرض کریں آپ سے افضالِ خدا ہے عجب طرح کی تفریح دلوں کو آقا
ابرِ رحمت کا ہر اک سمت یہاں سایا ہے
سب بزرگوں نے کرم آج تو فرمایا ہے

اِس طرف آپ یہ تکلیف اٹھا کر لائے اُس طرف گلشنِ جنت سے پیمبر آئے
جامِ کوثر کا لئے ساقیِ کوثر آئے جعفر و والدِ مرحوم کھلے سر آئے
فوج حوروں کی بصد گریہ و زاری آئی
نانی اماں کی بھی جنت سے سواری آئی

آئے وہ دونوں برادر بھی ہمارا ہیں ہم پیار کرتے ہیں انھیں احمد و حیدر پیہم
ہم سے کہتے ہیں یہ ہر بار بصد درد و الم آؤ جلدی کہ تڑپتے ہیں تمہارے لئے ہم
سیرِ گلزارِ جناں تم کو دکھائیں بھائی
میوے چن چن کے رکھے ہیں وہ کھلائیں بھائی

دم بدم پوچھتے ہیں والدہ صاحب کی خبر — کہہ دیا ہم نے انھیں روتی ہیں وہ آٹھ پہر
عرض کرتے ہیں یہ اب آپ سے دونوں احقر — کہنا اماں سے غلاموں کی طرف سے رو کر

تسلیم آخر، نہ غلاموں کو فراموش کیجے
کہہ دیجے آپ کے پیغام سبکدوش ہوئے

کر کے یہ عرض جو خاموش ہوئے وہ ضرغام — شاہ نے رو کے کہا ختم ہوا کیا پیغام
اور کچھ باتیں کرو، تم پہ تصدق ہو امام — ضعف طاری ہوا، شاید نہیں اب تابِ کلام

عالمِ نزع ہے کیا ساتھ مرا چھوڑتے ہو
آ کے پردیس میں مظلوم سے منہ موڑتے ہو

دل تڑپتا ہے مرا منہ سے تو بولو پیارو — حال اب کیا ہے، ذرا آنکھ تو کھولو پیارو
جاؤ گے پھر ماموں سے رخصت بھی تو ہو لو پیارو — کوچ اپنا بھی ہے ہم کو بھی تو رو لو پیارو

جان کے افسوس ہے کیا ظلم سے بے آس جیے
تشنہ لب، باپ کے اور بھائیوں کے پاس چلے

کہہ کے یہ روتے تھے منہ چوم کے دونوں کے امام — مرغِ بسمل سے تڑپتے تھے پڑے وہ ضرغام
مرنے والوں کو نہ تھا کرب میں اک دم آرام — ناگہاں موت نے دونوں کا کیا کام تمام

حوضِ کوثر پہ گئے پیاس سے پیاسے دونوں
مر گئے حیدرِ صفدر کے نواسے دونوں

شہ نے عباسِ دلاور سے کہا بیٹھ کے سر — دیکھیے کیا ہو سفر کر گئے یہ رشکِ قمر
مجھ میں طاقت نہیں صدمے سے تڑپتا ہے جگر — لے چلو لاشوں کو اب خیمے میں تم اور اکبر

باغِ عالم میں کہاں پائیں گے دلداروں کو
وقتِ آخر ہے ذرا دیکھ لے ماں پیاروں کو

دونوں شیروں نے دلیروں کے اٹھائے لاشے — خیمۂ پاک میں میدان سے لائے لاشے
غل ہوا گھر میں یتیموں کے وہ آئے لاشے — مسندِ مسلمؑ بیکس پہ لٹائے لاشے
در کے نزدیک کھڑی تھی جو کھلے سر مادر
گر پڑی خاک پہ بیکس کوکھ پکڑ کر مادر

لائے لاشوں کے قریں اس کو اٹھا کر شبیرؑ — بولے بیٹوں کا بہن دیکھ لو دیدار اخیر
گردشِ چرخ سے کس کو یہ خبر تھی ہمشیر — وہ بھی پیش آتی ہے پیشانی میں جو ہے تحریر
نہ تو پروان چڑھے اور نہ سہرے دیکھے
لال، لالے کی طرح خون سے چہرے دیکھے

بیٹھی لاشوں کے قریں خاک پہ جب ننگے سر — کہا زینبؑ نے برادر سے میں صدقے تم پر
ایک دم کے لئے اب خیمہ سے جاؤ باہر — بیوۂ مسلمؑ ناشاد بہت ہے مضطر
اشک سے داغِ جگر دھو نہیں سکتی بھائی
آپ کی شرم سے وہ رو نہیں سکتی بھائی

گئے روتے ہوئے باہر تو ادھر سرورِ دیں — ہاتھ پھیلا کے گری لاشوں پہ یاں وہ غمگیں
کہتی تھی پالنے والی کی خبر تم کو نہیں — مرغِ بسمل ہوں ہے میرا ابھی دم باز پسیں
روح گھبراتی ہے اب چین نہیں آتا ہے
آگ بھڑکی ہے کلیجہ سا پھنکا جاتا ہے

کس مصیبت میں مجھے تم نے دغا دی پیارو — دل سے کیوں مہر و محبت وہ اٹھا دی پیارو
چھٹنے ہے شمعِ امید بجھا دی پیارو — رہ گئے - - - - - - - - -
تا دمِ مرگ رہی اشک فشانی مجھ کو
دے گئے داغِ جگر خوب نشانی مجھ کو

پھر بھی آؤ گے مرے پاس بتاؤ بچّو   ماں سے اس طرح خفا ہو کے نہ جاؤ بچّو
و فغتا رسمِ محبت نہ بھلاؤ بچّو   اپنی خدمت کے لئے مجھ کو بلاؤ بچّو
یک قلم بھول نہ جانا کہیں مجھ حیراں کو
خط کبھی بھیجنا تسکین ذرا ہو ماں کو

وارثِ غربت میں ہے دائی کی خدمت کا خیال - - - - - - - - - - -
- - - - - - - - - - - آنکھیں نمناک ہیں ماتم میں پریشان ہیں بال
چین اک دم نہیں اندوہ سے آرام نہیں
شغل رونے کا ہے ماتم کے سوا کام نہیں

بچپنے میں یہ ہوا ہے سفرِ ملکِ عدم   سخت منزل ہے ذرا سوچ کے تم رکھیو قدم
دونوں بھائی رہیں اس راہ میں سرگرم باہم - - - - - - - - - - - - ہم
دھیان رکھنا کہ نہ غربت میں پریشانی ہو
ایک کو ایک سنبھالے کہ نہ حیرانی ہو

تم دلاور ہو نہ کچھ راہ میں ڈرنا پیارو   طے رہِ ملکِ عدم چین سے کرنا پیارو
جا کے ناگر کسی منزل پہ اترنا پیارو   پہلے جنت میں قدم شوق سے دھرنا پیارو
میرے دلاور کے پسر، گر کوئی ٹوکے، کہنا
ابنِ حیدرؑ کے ملازم ہیں جو روکے کہنا

کر کے یہ بین گری پیٹ کے سر وہ مضطر   لے گئے لاشۂ پُرخوں کو شرکشتہ جگر
بس ریاضؔ جگر افگار بپا ہے محشر   شورِ گریہ ہے ہر اک سمت، ہر اک چشم ہے تر
مانگ خالق سے دعا، دور پریشانی ہو
چین گر دل کو ملے لطفِ ثنا خوانی ہو

———✕———

شجرۂ نسب

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام ۔ زید شہید[۱] ۔ سید عیسیٰ[۲] موتم الاشبال

سید محمد[۳] ۔ سید علی[۴] ۔ سید حسین[۵] ۔ سید علی عراقی[۶] ۔ سید حسین ثانی[۷]

سید علی[۸] ۔ سید زید حربی[۹] ۔ سید عمر[۱۰] ۔ سید حسن[۱۱] ۔ سید یحییٰ ثانی[۱۲] ۔

سید حسین ثالث[۱۳] ۔ سید داؤد[۱۴] ۔ سید ابوالفرج واسطی[۱۵] ۔ سید داؤد[۱۶] ۔

سید عبدالفتاح[۱۷] ۔ سید ابوالحسن[۱۸] ۔ سید علی[۱۹] ۔ سید محمد[۲۰] ۔ سید حسن[۲۱] ۔

سید ہادی[۲۲] ۔ سید عیوض[۲۳] ۔ سید عمر زر[۲۴] ۔ سید اختیار الدین[۲۵] ۔ سید اسد الدین[۲۶]

سید منیر[۲۷] ۔ سید علاء الدین[۲۸] ۔ سید زین العابدین[۲۹] ۔ سید میر سعید[۳۰] ۔

سید مبارک[۳۱] ۔ نواب سید محمود صاحب طبل و علم[۳۲] ۔ سید قاسم[۳۳] ۔ سید شیر علی صلابت خان[۳۴]

سید ابوالواحد[۳۵] ۔ سید فتح محمد[۳۶] ۔ سید مرتضیٰ[۳۷] ۔ سید نور الدین[۳۸] ۔ سید شرف الدین[۳۹] ۔ سید غلام علی[۴۰]

- سید عالم علی
  - سید جلال الدین (۴۱)
    - سید جو نجف حسین
    - سید فیاض حسین
      - سیدہ مہدی بیگم زوجہ سید غلام حسین (۴۲)
    - سید تجمل حسین
    - سید ریاض الدین ریاض (۴۲)
      - سید ناصر الدین
        - سید علی رہبر
          - سید جلال الدین رہبر
            - سید علی رضا
        - سید شمس الدین
          - سید ناصر عباس
          - سید سجاد رہبر
  - ۴۱ سید تفضل حسین
    - ۴۲ سید نثار حسین
      - سید غلام حسن (۴۳)
        - سید سلطان حسین
          - سید خاقان حسین
            - سید محمد حسین حر
            - سید رضا علی
            - سید مرتضیٰ مہدی
            - سید آل نقی علی
            - حسن رضا، علی حسین، مرتضیٰ زہرا
          - سید رضوان حسین
            - سید حسین حیدر
            - سید جواد حیدر
            - سید ذیشان حیدر
            - سید عباس حیدر
      - سید جمیل حسن

سید خورشید حسین
سید افضال حسین
سید ہادی حسن
اعجاز حیدر
سید نواب حسن
سید علی قیصر
حسن قیصر
محمد قیصر
بابو
سید آفتاب حیدر
سید اقبال حیدر
سید تقی حیدر
سید عباس حیدر
سید محمد تقی
سید ضیا حیدر

maablib.org

نشست: سید فیاض حسین (کنیلمر زوانہ)، لالہ پربھاسرن، مسٹر پیرسن، مسٹر اسٹیوارٹ، مسٹر پیرسن، مسٹر اسٹوارٹ، لالہ چھترداس، خواجہ ریاض حسن

کھڑے ہوئے: مسٹر نند کشور، لالہ بنارسی داس، لالہ شانتی سرن، لالہ بھگوان داس، لالہ شانتی سرن، مسٹر انعام اللہ خان

سید فیاض حسین۔ منشی اقبال حسین تحصیلدار۔ بابو مگن بہاری رجسٹرار۔ لالہ متھرا داس

غلط نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۲	۲۱	سید سعید حسن	سید سعید مرتضیٰ
۱۳	۲	〃	〃
۱۴	۶	〃	〃
۱۶	۶	ہے خسرواں سخن آفتاب نظم	ہے خسرو رواق سخن آفتاب نظم
۱۸	۱	سید سعید حسن	سید سعید مرتضیٰ
۵۰	۱۴	خیرہ دل	خیرہ دل
۵۱	۱۳	نکلے	نکل آئے
۵۲	۱۸	صبر کرتی رہی ربی۔۔۔	بیبیاں
۵۳	۱۲	کون سے آسرے پہ چھوڑ چلے	کون سے آسرے پہ چھوڑ کے چلے
۵۵	۱۳	برادر و غمخوار	برادر غمخوار
۵۷	۱	پھر ہرا بھرا آن	پھر ہرا بھرا آں
〃	۴	بچھڑتے	بیچھڑتے
۶۱	۱۴	اپنی ملی	اپنا وَلی
۶۲	۱۳	تیغ خریار	تیغ شہریار
۸۹	۴	تیز تجھے	نہید تجھے
۹۲	۱۸	ان لاش پہ بیتاب	واں لاش پہ بیتاب
۹۵	۱	سرِشا	سرِشاہ
〃	۲۰	لٹکا تھا	لٹکا یا تھا
۱۲۵	۱۱	صدمے تازہ	صدمے پہ تازہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۲۸	۱۴	اما دہ خفا	آمادہ دغا
۱۳۲	۱	دونوں لال	لالہ فام
۱۵۶	۱۴	گماں گوشہ نشیں	کماں گوشہ نشین
۱۵۷	۱۱	پہنا آئی	پہنا کر آئی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلام

غضب ہے شمرِ لعیں کا خنجر گلوئے سرورؑ پہ چل رہا ہے
تمام کنبہ سروں کو کھولے خیامِ شہ سے نکل رہا ہے

ہوئی ہے کعبہ میں گر ولادت تو پائی مسجد میں ہے شہادت
خدا کے گھر میں بجز علیؑ کے کسی کا ایسا عمل رہا ہے

جدا جو ہوتے ہیں شاہِ دیں سے نہیں ہے اہلِ وطن کو راحت
کوئی ہے نالاں کوئی ہے گریاں تو کوئی ہاتھوں کو مل رہا ہے

علیؑ کے پیاروں پہ کربلا میں بپا ہے عاشور کو قیامت
کسی کی لاش آ رہی ہے گھر میں کسی کا لاشا نکل رہا ہے

پڑے ہیں مجروح رن میں اکبرؑ کھڑے ہیں بالیں پہ جھکے سرورؑ
حسینؑ حیرت سے تک رہے ہیں کہ دم پسر کا نکل رہا ہے

پھرائے دیتا ہے آنکھیں اصغرؑ ڈھلی ہی جاتی ہے ننھی گردن
پدر کے ہاتھوں پہ تیر کھا کے لہو دہن سے اگل رہا ہے

حرم سے اس دم ہے شہؑ کی رخصت بپا ہے بیبیوں میں شورِ رقت
چلے ہیں یوں شاہِ دیں کہ گویا جنازہ گھر سے نکل رہا ہے

گئے ہیں بہرِ جہاد سرورؑ تو لاکھ تشویش میں ہیں ناری
امان دیں گے نہ شاہِ عادل کہ کف دہن سے نکل رہا ہے

کھڑے ہیں میدان میں شاہِ عادل نہیں ہیں ہوش و حواس زائل
زباں تالو سے لگ گئی ہے دھواں جگر سے نکل رہا ہے

نہیں ہے طاقت شہِ امم میں فرس سے گرتے ہیں کوئی دم میں
ہر ایک زخمِ بدن سے پیہم لہو بدن کا ابل رہا ہے

طمانچے رخ پر جو کھا چکی ہے کھڑی ہے سہمی سکینہ ناداں
ہوئے ہیں بے کس کے کان زخمی کلیجہ ننھا دہل رہا ہے

سوار جاتے ہیں شمر و خولی مگر ہے زین العبا شترباں
مہار اونٹوں کی کھینچتا ہے پیادہ کانٹوں پہ چل رہا ہے

ریاض اندھیر کیسا آیا فلک نے یہ رنگ کیا دکھایا
نبیؐ کے روضے پہ شمع گل ہے چراغ ہر گھر میں جل رہا ہے